فکرِ انیسؒ

فکرِ انیس

بسلسلہ پنج سالہ منصوبہ

مارچ ۱۹۶۲ء

فکرِ انیس

مرتبہ

منظور علی علوی

مقدمہ نگار

مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل

جناب سید عابد علی عابد

ہماری دیگر مطبوعات

صحیفہ کاملہ

متعہ اور اسلام

کربلا کی شیر دل خاتون

زندگی کا حکیمانہ تصور

اسوۂ حسینی

قبہ و قبور

خلافت و امامت

حضرت امام حسین شہید

اثبات پردہ

اہل سنت اور خلافت معاویہ و یزید

اعجاز التنزیل

دینیات (پانچ حصص)

تاریخ اسلام

فکرِ انیس

مراثی انیس سے ایک حسین انتخاب

ناشر

مکتبہ امامیہ — پوسٹ بکس ۴۸۵ لاہور
اردو بازار

* باردوم — مارچ ۱۹۶۷ء
* تعداد اشاعت — ایک ہزار
* طباعت — تعلیمی پریس لاہور
* کتابت — اصغر قریشی۔ محمد عبدالواحد اختر
* سرورق — انصاری
* طباعت سرورق — نوروز پریس لاہور
* قیمت — تین روپے
* ناشر — مکتبہ امامیہ
اردو بازار لاہور

ترتیب

عرضِ ناشر

فکر انیس آپ کے پیش نظر ہے۔

خدائے سخن حضرت میر انیس مرحوم کو اردو شاعری میں جو خاص مقام حاصل ہے۔ اس کا اعتراف صرف اپنوں ہی کو نہیں بلکہ بیگانوں کو بھی ہے ضرورت تھی اس بات کی کہ میر صاحب مرحوم کے کلام کا ایک حسین انتخاب ایسی ترتیب سے شائع کیا جائے جس میں تمام واقعات کربلا یکجا ہوں ملت کے سنجیدہ حلقوں کا اصرار بڑھا تو امامیہ مشن پاکستان کے ایک ہمدرد خصوصی جناب جمعدار منظور حسین شاہ صاحب (لاہور کینٹ) نے ہمیں زیر نظر انتخاب بغرض اشاعت مرحمت فرمایا —— جس کے لئے ہم ان کے سپاس گزار ہیں۔ ناشکر گزاری ہوگی اگر ہم فاضل جلیل عالی جناب مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب فاضل لکھنوی اور جناب مستطاب سید عابد علی صاحب عابد کا شکریہ ادا نہ کریں جنہوں نے نہایت کم مدت کے باوجود ہماری درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے مقدمات تحریر فرمائے ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین —— خداوند تعالیٰ ہر دو حضرات کو اس دینی خدمت کا اجر جزیل عطا فرمائے۔ ہم بہر حال صمیم قلب سے ممنون ہیں۔

امید ہے کہ ناظرین ہماری اس خدمت کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے۔

مقدمہ

از

عالیجناب مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب فاضل

مقدمۂ فکر انیس

انیس کا مطالعہ کیوں کیا جائے؟

از مولانا سید مرتضیٰ حسین، فاضل

اردو ادب کے رنگا رنگ اصناف سخن میں "مرثیہ" کو وہ مرتبہ حاصل ہے جس کے مقابلے میں سارا ذخیرہ شعر سبک ہے۔ سخت سے سخت انتقاد، کڑی سے کڑی تنقید کے باوجود فنی کسوٹی پر مرثیہ رزم و بزم، جذبات، واقعات فطرت نگاری، بلند نگاہی، تمثال کاری، جرأت آفرینی، درد انگیزی میں مجموعی طور پر بے عیب ہے۔

قطب شاہ کے مراثی "بین، مرثیت، اور محاکات" کے اعلیٰ مرتبہ پر ہوں یا نہ ہوں، ولی دکنی، میر تقی میر، مرزا رفیع سودا، ضمیر، دبیر، انیس تک جو فن ہمارے سامنے آیا اس میں رزمیہ شاعری کے تمام عناصر جمع ہو گئے۔ اگر کوئی شخص اردو کی رزمیہ شاعری، اور ادب اردو کی فنی چھان بین کرے تو اسے مشرق میں ایک ایسی روایت ملے گی جس کی نظیر عربی، فارسی، ہندی میں ملنا مشکل ہے۔

ہر زبان میں شاعری جذبات غم کی ترجمان ہے یا احساسات شجاعت کی۔ ترجمانی غم میں عشق اور بیان شجاعت میں رزمیہ عنوانات قائم کئے

جاتے ہیں۔ عشقیہ میں غزل، واسوخت، باوقار و مصنوعی اظہار محبت میں قصیدہ شجاعانہ یا حماسی شاعری میں اسلام کھنڈ، کسی فاتح کے کارناموں کا سکندر نامہ یا شاہ نامہ جس کے لئے قصیدہ یا مثنوی فارسی و اردو کا طرۂ امتیاز ہے۔

مرثیہ" آغاز بنائے لفظ سے جذبات غم کی شدت اظہار سے عبارت ہے، محبوب کی موت، چاہنے والے کی وفات، عزیز کے انتقال پر جو المیہ بینیہ اشعار نظم کئے جائیں انہیں مرثیہ کہا جاتا ہے۔ ہماری ہزار سالہ تاریخ ادب میں عربی مراثی کے دفتر موجود ہیں، فارسی و اردو میں آج تک صدہا مراثی چھپ چکے ہیں۔ لیکن ضمیر وخلیق کے عہد سے اب تک لفظ "مرثیہ" جن اصطلاحی معنوں میں مستعمل ہے وہ مشرقی ادب میں بالکل نئی چیز ہے "وہ مسدس، جو واقعات کربلا پہ رونے رلانے کے لئے لکھا جائے اور کم از کم چہرہ، گریز، سراپا، جنگ اور بین یا شہادت کے بیان پر مشتمل ہو"

ان معنوں کی رعایت سے نوحہ، ماتم، عام مرثیہ ہمارے نزدیک مرثیہ نہیں۔ اگرچہ عام مرثیہ کو مجازاً "مرثیہ کہا جاتا ہے لیکن نقد و ادب میں نہ اسے موضوع بنایا گیا ہے نہ اس پہ فنی توجہ دی گئی ہے۔ دکن کے قدیم مراثی اور سودا و میر تک کے کربلائی منظومات کو مرثیہ حقیقی اس لئے قرار دیا جاتا ہے کہ اس میں موضوع اور مقصد پایا جاتا ہے۔ واقعات کربلا، رونا اور رلانا۔

وجہی غواصی، نوری، وغیرہ کے مراثی اسی قسم کے منظومات ہیں۔ بلکہ بعض مخمس بہادر شاہ ظفر نے بھی لکھے جنہیں میں نے اپنے مقالے میں نوحہ کے نام سے یاد کیا ہے (تاریخ عزاداری پر چند مضمون)

مرثیہ درحقیقت جس موضوع سے سہارا لیتا ہے وہ اس قدر جاندار

حیات آفرین و درد انگیز ہے کہ اسلام، اخلاق، حریت غرض تمام زندہ قدریں اس سے حیات نو حاصل کرتی ہیں۔ ہمارے شعراء نے بھی یہ راز پالیا، اور زندۂ جاوید ہوگئے۔ دنیا میں دار و رسن کی آزمائشیں ہوتی رہیں گی۔ مگر منصور سے لے کر آج تک "دار" کسے نصیب؟ معرکے روز ہوتے ہیں۔ مگر معرکۂ کربلا کی سی ہمہ گیری و دلکشی کسے میسر؟

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟
یکے حسینے نیست، کہ گردد شہید ورنہ بسیار اند در عالم یزید

اسلام ایک زندہ حقیقت ہے، حسینؑ اس حقیقت کی حقیقت ابدی۔ مسلمان کو حسینؑ پیارے ہیں، اس پیار نے واقعۂ کربلا کی تبلیغ کی اور اب یہ عالم ہے کہ

اک فخر سا محسوس یہیں ہوتا ہے جب کوئی یہ کہتا ہے ہمارے ہیں حسینؑ

محرم سنہ ۶۱ھ تک، اولادِ رسولؐ پر بے گھری، مسافری، کس مپرسی، بیاباں نوردی کی انتہا ہو گئی، یکم محرم سے دس محرم تک خون، پیاس، قتل، تباہی، گرفتاری نے وہ منظر دکھائے کہ

کانپے طبق زمین کے، ہلا چرخ لاجورد مانند کہربا ہوا مٹی کا رنگ زرد
اٹھ کر زمیں سے بیٹھ گئی زلزلے میں گرد تیغوں کی آنچ دیکھ کے بھاگی، ہوائے سرد
گرمی سے ان کے ہوش اڑے وحش و طیر کے
شیر اس طرف اتر گئے، دریا کو پیر کے

ایک دن کی لڑائی بھی کوئی لڑائی ہے۔ ستر بہتر سپاہیوں کی تیغ آزمائی بھوکوں پیاسوں کی میدان آرائی تو یہی ہونا چاہئے تھی کہ آتے، تیورا کے گرتے تڑپ کے جان دیدیتے ـــــ لاکھوں دشمنوں میں اسلام کے یہ جاں نثار فرزند،

جگر گوشۂ نبوت امام حسین علیہ السلام کے سایہ وقار میں کھڑے جھوم رہے تھے چہروں پہ خوشی و کامرانی سے سرخی، چتونوں پہ بل، بازوؤں میں تڑپ، سینوں میں ولولے تھے، دشمن کا عالم یہ تھا۔

امڈی ہوئی تھی فوج پہ فوج، اور دَل پہ دَل — تھے برچھیوں کی صورت مقراض پھل پہ پھل
خنجر وہ جن کی آب نہیں تھی، تھی اجل — وہ گرز جن کے ڈر سے گرے دیو منہ کے بھل

دو، دو تبر تھے پاس، ہر اک خود پسند کے
حلقوں پہ تھے بچھے ہوئے حلقے کمند کے

انصار حسینی کا یہ عالم کہ:-

تنتا ہوا بڑھا کوئی قبضے کو چوم کے — بھالا کسی نے رکھ لیا کندھے پہ جھوم کے
دو لاکھ سے نظر کسی غازی کی لڑ گئی — بل کھا کے زلف رخ پہ کسی کے اکڑ گئی
چتون کسی کی شورِ دُہل سے بگڑ گئی — مُنہ سرخ ہو گیا، شکن ابرو پہ پڑ گئی
نکلا کوئی، سمند کو زانو میں داب کے — غصے سے رہ گیا کوئی، ہونٹوں کو چاب کے
بڑھ کر کسی نے، تیر ملایا کمان سے — نیزہ کوئی ہلانے لگا، آن بان سے
نعرہ کسی کا، پار ہوا آسمان سے — تلوار کھینچ لی، کسی صفدر نے میان سے
اک شور تھا، کہ تلخ کیا ہے حیات کو — لاشوں سے چل کے پاٹ دو، نہر فرات کو
سنتے ہی یہ کلام جوانان نام ور — لڑکے الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھ کر
کہتے تھے، نیمچے سے وہ غیرت قمر — یارب شکست فوجوں کو دے، ہمیں ظفر
مر کے نہ پھر دغائیں جو بڑھ کر قدم گڑے — جا کر درِ یزید پہ اپنا علم گڑے

مرد باہر، بچے اور عورتیں خیموں کے اندر، یزید کا لشکر ساحل فرات سے لے کر حد نظر تک گھیرا ڈالے ہوئے تھا۔ صبح کی نماز سے عصر تک غازی شہید ہو گئے۔ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام بھی داد صبر و شجاعت دے کر اپنے

اللہ کے حضور میں تشریف لے گئے۔ شہزادیاں گرفتار فوج یزید ہو کر کوفے سے شام کے دربار اور پھر حکم یزید سے قید خانے میں داخل کی گئیں۔

مظالم کی اس انتہا نے، ایک دنیا کو ماتم زدہ، ایک جہان کو نوحہ خوان کر دیا۔ انیس اس غم کے ترجمان ہیں مگر رونے رلانے کے ساتھ ساتھ صالح جذبات کو پرورش دیتے ہوئے قومی شعور، انسانی تقاضوں، ترقی یافتہ قدروں کو للکارتے ہوئے۔

ہومر اور شکسپیر ــــ فردوسی و نظامی کے موضوع بدلتے رہتے ہیں یا فن اور تکنیک بدل جاتی ہے ــــ "انہوں نے ایجاد مضامین کے دریا بہا دئے، ایک مقررّی مضمون کو سینکڑوں نہیں ہزاروں رنگ سے ادا کیا، ہر مرثیہ کا چہرہ نیا، آمد نئی، رزم جدا، بزم جدا، اور ہر میدان میں مضمون اچھوتا تلوار نئی، نیزہ نیا، گھوڑا نیا، انداز نیا، مقابلہ نیا، اور اس پر کیا منحصر ہے صبح کا عالم دیکھو، تو سبحان اللہ، رات کی رخصت، سیاہی کا پھٹنا، نور کا ظہور، آفتاب کا طلوع، مرغزار کی بہار۔ شام ہے تو شام غریباں کی اداسی کبھی رات کا سناٹا، کبھی تاروں کی چھاؤں کو چاندنی اور اندھیرے کے ساتھ ساتھ رنگ رنگ سے دکھایا ہے۔" (آب حیات ص ۵۴۳)

جوانوں کے جذبات شجاعت، بوڑھوں کا استقلال، بچوں کی جاں فروشی، مقصد کا پرچار، شہادت کا شوق، عبادت کا ذوق، پیش قدمیوں کی تعریف، لڑنے مرنے کی کیفیت، موت و زیست سے بلند ہونے کی حالت خوف خدا، احساس بندگی کا اظہار ــــ جنگ کو کھیل، اور کھیل کو کارنامۂ جاوداں بنا دینے کا پس منظر مرثیہ کے علاوہ کہیں نہ ملے گا۔

امداد امام اثر کی رائے ہے :-

"ورجل جو ہومر کا تبع ہے میر صاحب کا ہرگز ہم پایہ نہیں قرار دیا جا سکتا اور نہ اس ہم پائیگی کا استحقاق فردوسی کو حاصل ہے میر صاحب کو فردوسی ہند کہنا بے شک میر صاحب کی ایک بڑی ناقدر شناسی ہے..... میری دانست میں ہومر ایک بڑا رزمی شاعر تھا۔ لیکن اگر ہومر سیر تھا تو میر صاحب سوا سیر تھے۔ اس افزونی کی وجہ یا یہ تھی کہ میر صاحب خود نفسِ قوت شاعری میں ہومر سے زیادہ تھے یا یہ کہ میر صاحب کو سبجکٹ (SUBJECT) یعنی شاعری کا موضوع ایک ایسا بزرگ ہاتھ لگا ہے جس کا جواب دنیا میں نظر نہیں آتا۔ اس واقعہ عظیم کے ساتھ واقعے (بڑائی) کو کوئی نسبت نہیں ہے — شاہزادہ ٹرائی کا قصہ ایک ناپاک قصہ ہے اور ہر گونہ قابلِ نفریں ہے۔ یہ ہومر ہی کی قابلیت شاعری تھی جس نے اسے قابلِ توجہ بنا دیا ہے۔ ورنہ شاہزادہ ٹرائی کے قصے میں کوئی ایسی عظمت کی بات نہیں پائی جاتی ہے جس کی طرف اہلِ مذاق کو کسی طرح کی رغبت خاص پیدا ہو سکے، بر خلاف اس کے کربلا کا معاملہ ہے کہ نہایت اعلیٰ درجے کے امورِ دین، اخلاق امور تدبیر المنزل اور امور سیاست مدن پر مشتمل ہے۔ ایسے معاملات کی طرف توجہ کرنا ہر دین دار، ہر ذی علم، ہر حکیم اور فلسفی کا کام ہے۔ یہ واقعہ معاملات عالم کی تمام خوبیوں کا خلاصہ ہے پس کچھ تعجب اگر میر صاحب کی شاعری کو اس طرح کے ارفع مضامین نے ایک بے قیاس مدد دی ہے جس سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک عمدہ

سبجکٹ کے دستیاب ہونے سے میر صاحب ہومر سے سوا سیر معلوم ہوتے ہیں۔

یہ امر میر صاحب کے مرجح سمجھے جانے کا ایک بڑا سبب دکھائی دیتا ہے۔ مگر نفس شاعری کے اعتبار سے بھی راقم کی دانست میں میر صاحب کی کیریکٹر نگاری ہومر کی کیریکٹر نگاری سے بڑھی معلوم ہوتی ہے۔"

کاشف الحقائق ج ۲ ص ۲۷۷

سینکڑوں مرثیوں کا لکھنا، کامیاب رزمیوں کی تخلیق۔ زبان و بیان کی گہرائی لوچ، سختی، گرمی، لطافت کے کتنے اقتدار، کس قدر تجربے چاہتا ہے؟ اسے ایک عالمی ادب کا ماہر، یا لسانیات کا محقق ہی سمجھ سکتا ہے۔

لکھنؤ نے زبان و بیان میں سلاست و روانی بخشی، دہلی نے اُسے ورد وسعت عطا کی۔ میر انیس۔ میر تقی میر۔ مرزا محمد رفیع سودا۔ میر حسن کے بعد آرزو، حاتم و ناسخ کے فیض سے متاثر ہو کر ضمیر۔ مسکین۔ خلیق کے عہد میں دبیر کے حریف بنے۔ اس پس منظر نے ان کی طبیعت خداداد کو جلا بخشی۔ اور انہوں نے "مضامین کے انبار"۔ "زبان کو وسعت و آفاقیت"۔ "فن کو خمیازۂ ساحل بنا دیا"۔

مشاہدات کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے فلسفہ و سائنس کے کلیے، نفسیات و طب کے قوانین مرتب ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری پر غور کرنے کو معرفت خدا کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

انیس اردو کا پہلا شاعر ہے جس نے بلا کی سادگی، اور قیامت کی روانی، غضب کی تخیل، اور بے مثال لطافت سے متحرک تصویریں کھینچی ہیں۔ نظیر اکبر آبادی کا موضوع ہاؤ ہو ہے۔ عوامی ہے، اس کا فائدہ تفریح ہے۔ انیس نے

وقار، مذہبی افادیت اور روحانی اعتبار، اور زبان کے رکھ رکھاؤ کا خیال رکھ کر ہمارے ادب کو سر بلند کیا۔ صبح، شام، دوپہر، گرمی، سردی، بہار، جنگل، باغ دریا، ریگستان، شہر، ویرانے دربار، قید خانہ، جشن اور غم ہر چیز کو لکھا ہر موضوع پر شعر کہے۔ پھر یہ عالم کہ ذوق کو سرشاری، زبان کو کوثر و سلسبیل کی پاکیزگی مل گئی۔

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی، اور وہ نور
دیکھے تو غش کرے، ارنی گوئی اوجِ طور
پیدا گلوں سے قدرت اللہ کا ظہور
وہ جا بجا درختوں پہ، تسبیح خواں طیور
گلشن خجل تھے وادیِ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا، پھولوں کی باس سے
ٹھنڈی ہوائیں سبزۂ صحرا کی وہ لہک
شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک
وہ جھومنا درختوں کا، پھولوں کی وہ مہک
ہر برگِ گل پہ، قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے، گوہرِ یکتا نثار تھے
پتّے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے
وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم
کوکو کا شور نالۂ حق سرّہٗ کی دھوم
"سبحان ربّنا" کی صدا تھی علی العموم
جاری تھے وہ جو اُن کی عبادت کے تھے رسوم

کچھ فقط نہ کرتے تھے ربِّ عُلا کی مدح
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی خدا کی مدح
چیونٹی بھی خاک اڑا کے یہ کہتی تھی بار بار
اے دانہ کش، ضعیفوں کے رازق ترے نثار
یا حیّ و یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار
تسبیح تھی کہیں، کہیں تہلیل کردگار
طائر ہوا میں مست، ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں

اقتباسات کا دامن وسیع ہے۔ ادب کا طالب علم ان مناظر سے باخبر ہے اساتذۂ فن نے اپنے دفتروں میں بہت کچھ لکھا ہے میں صرف یہ عرض کروں گا کہ انیس کا مطالعہ زبان میں لوچ، شستگی، حسن، دیانت، کا سبب ہے اس سے مشاہدے کی قوت میں وسعت و گہرائی حاصل ہوتی ہے — نفسیات کے نکتے اجاگر ہوتے ہیں۔ احساسات میں توازن و جوش آتا ہے اسلامی تاریخ سے ربط اور مجاہدۂ کربلا کے لئے بصیرت۔
عکاسی، تصویر کشی کے ماہرانہ خطوط، ثقافت اور تاریخ کے واضح مجسمے، تخیل و شاعری کے مثالی ارتقاء سمجھنے کے لئے مراثی انیس کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

اسلامی شاعری کا پہلا دفتر و دیوان کلیات مراثی ہے۔ حالی، اکبر، اقبال، بہت بعد پیدا ہوئے۔ درحقیقت اگر اردو میں مراثی کا وجود نہ ہوتا تو ہمارا ذخیرہ شعر بڑی حد تک دفتر بے معنی ہوتا۔ حالی۔ اکبر اور اقبال خالص اسلامی شاعر ہیں۔ ان کے فن میں مسلمان پہلا مخاطب ہے، اسلامی

افکار و ثقافت پہلا موضوع ہے وہ اسلام کے ذریعے انسانیت کو دعوت فکر و عمل دیتے ہیں۔ انیسؔ کا موضوع اسلام ہے۔ لیکن انہوں نے انسانیت کو مخاطب کر کے اسلامی کردار کو دعوت کے طور پر پیش کیا۔ یہی سبب ہے کہ انہیں شیعہ، سنی، ہندو عیسائی ہر ایک نے پسند کیا، اور نئی نسل نے ان سے اثر لیا۔

مشیران، چکبست، سرشار، سری رام، سرتیج، مہاراجہ کشن پرشاد۔ اثر۔ حالی۔ شبلی۔ ذکاء اللہ۔ نورالحسن کاکوری۔ آزاد۔ سرعبدالقادر۔ امداد امام اثر حامد حسن قادری۔ مسعود حسن ادیب۔ احتشام۔ سرور۔ سید عبداللہ سے ایک عام طالب علم تک یک زبان و یک رائے ہے۔ تاجور، مولف فکرانیس۔ مسعود حسن ادیب مدظلہم نے انیس کے مرثیوں کو مختلف زاویوں سے دیکھا ہے۔ منظرنگاری کے نقطۂ نظر سے انتخاب کئے۔ رزم ناموں کے طور پر مختلف مرثیوں کو مرتب کیا، شاہ نامے کے انداز میں ترتیب دی۔ جس کا مقصد ادب کی وسعتوں کا جائزہ لینا اور تعارف کرانا بھی ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی لٹریچر کی عظمت کا اظہار، اور متحدہ ہند میں مسلمانوں کی تعمیر ثقافت کا معمار بتانا بھی۔

لکھنؤ کی وہ مشہور سالانہ مجلس جس میں انیس اور ان کے اخلاف، نفیس، عروج و فائز اپنا نو تصنیف مرثیہ پڑھا کرتے تھے، میں نے دیکھی ہے۔ "دل آرام (ہندو) کی بارہ دری" میں وہ ثقہ، معیاری اور بے مثال اجتماع دیکھا ہے۔ جو سو برس پہلے کی مجلس کا ایک ہلکا سا نمونہ تھا۔ میں نے ان ہندو مسلمان حضرات کو دیکھا ہے۔ جو اسلامی تہذیب میں رنگے ہوئے اشعار انیس کے حافظ تھے۔ ہم نے معتبر و مستند ہندو مسلمان ادیبوں

(مثلاً کشن پرشاد کول) کو یہ کہتے سنا ہے کہ اگر انیس نہ ہوتے تو نئی شاعری کے لئے آزاد، حالی، چکبست، اور کیفی کو بڑے ہمت شکن تجربے کرنا پڑتے اور شاید کامیابی نہ ہوتی۔ نظم طباطبائی۔ چکبست۔ حالی اور آزاد کے منظومات کا مطالعہ کرنے والے بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب فیض انیس ہے۔ اقبال اور ان سے زیادہ جوش کی عظمت کا دارومدار مراثی کے مطالعے پر ہے۔

اکبر الہ آبادی نے شیخ ممتاز حسین جونپوری کے سامنے ایک معیاری محفل میں کہا تھا کہ مراثی کا سننا، پڑھنا اور انیس کے کلام پر غور کرنا ذوق شعر فہمی، نکتہ سنجی اور زباں شناسی کا فائدہ دیتا ہے۔

" فکر انیس " مراثی انیس کا ایک انتخاب ہے۔ یہ انتخاب مؤلف کے ذوق و رجحان کے مطابق بہت اچھا ہے۔ مؤلف نے چاہا کہ مجالس کے لئے ایک ایسا مسلسل و مربوط منظومہ تیار ہو جائے جو انیس کے قلم سے ہو۔ اور جو انیس کا مقصد تھا، اسی مقصد یعنے رونے رلانے کا فائدہ دے عام قاری اسے اپنے نقطہ نظر سے، اور طالب علم افادی زاویے سے دیکھ کر بے حد محظوظ و مستفید ہو سکتا ہے۔ اس میں تعصب، پروپیگنڈا، چھیڑ چھاڑ کے بجائے انسانیت، اخلاق اور خالص اسلامی قدروں کا دریایم بہ یم ساحل بہ ساحل نظر آتا ہے۔

کاش کسی کا ذوق مراثی دبیر کا بھی اسی طرح انتخاب کرکے خدا سے اجر اور ادب سے داد لے۔ میں اس سلسلے میں ایک مبسوط کام کرنا چاہتا تھا افسوس کہ مراثی دبیر، یعنے " دفتر ماتم " دستیاب نہیں۔ ورنہ آسمان ادب کے ان دونوں آفتابوں، ماہتابوں کی نور افشانیوں کا عکس پیش کرتا۔

کس دن فرس خامہ تگ و دو میں نہیں
مجھ سا بھی سیہ بخت کوئی سو میں نہیں
ہر چند کہ ہوں خسرو اقلیم سخن
پر غیر دوات، کچھ قلمرو میں نہیں

(انیسؔ)

مقدمہ ثانی

جناب سیّد عابد علی عابدؔ

مقدمہ ثانی

سیّد عابد علی عابد

مرثیہ اردو کی اصناف سخن میں ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ کہ اپنے اصطلاحی معانی میں یہ اردو ہی سے مخصوص ہے کسی اور زبان میں نہیں پایا جاتا۔ عرب قدیم جو قصیدے لکھتے تھے انہیں شقوں میں منقسم کردیتے تھے مثلاً الوصف، الہجا، المدیح، الرثا، آخر الذکر میں کسی کی موت پر شاعر ماتم کرتا تھا۔ فارسی زبان میں فرخی کا قصیدہ محمود غزنوی کی موت پر بہت مشہور ہے۔ لیکن اردو میں جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ اس صنف سخن نے ایک منفرد مقام حاصل کرلیا۔

اس صنف کا قدیم ترین اصناف میں سے ہونا مسلّم ہے کہ دکن میں شیعی امرا اور فرماں رواؤں نے اسے پنپنے کا موقع دیا۔ اس کے بعد اگرچہ شمالی ہندوستان میں شعراء نے قدرت کلام کے اظہار کے لئے مرثیے ضرور لکھے۔ لیکن جب لکھنؤ میں شیعیت نے زور پکڑا تو ایران کے صفویوں کی طرح فرماں روا اور امرا مرثیہ گو شعراء کی بیش از بیش پرورش کرنے لگے۔ انیس اور دبیر لکھنؤ کے اسی تمدن کی یادگار ہیں۔ جہاں اگر ایک طرف رقص وسرود تھا۔ تو دوسری طرف عزاداری حسینؑ بھی اپنے پورے عروج پر نظر آتی تھی۔

انیس نے اپنی عمر میں سینکڑوں مرثیے لکھے۔ اور ان کا کلام کم وبیش مطبوع بھی ہو چکا ہے۔ لیکن یہ کلام اپنی تمام خوبیوں اور نزاکتوں کے باوصف بیان کے تسلسل اور واقعات کے متواتر اظہار سے قاصر تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اردو میں صنف سخن کی حیثیت سے مرثیے کی صورت یہ ہے۔ کہ یہ ماتم حسینؑ سے منسوب ہے۔ اور کوائف مربوط سے مخصوص ہے۔

اگر اس صنف کا دائرہ عمل متعین کرنا چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں۔ کہ مندرجہ ذیل کوائف کا بیان اس کی حدود میں شامل ہے۔ یزید کی تخت نشینی اور اس کی یہ تمنا کہ حضرت امام حسینؑ اس کے ہاتھ پر بیعت کریں عالم اسلام کا یزید کے فسق وفجور کے خلاف احتجاج۔ امام کے نام کوفیوں کے خطوط کہ آپ خروج فرمائیں تو یزید کو معزول کیا جائے کہ کسی طرح مستحق خلافت نہیں۔ امام کا مستعد کار ہونا۔ کربلا تک اُن کا سفر۔ راہ کے واقعات۔ جن میں حُر کا واقعہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ جسے یہ حکم ملا تھا کہ امام کو اپنی نگرانی میں رکھے (معاذ اللہ) امام کا کربلا میں داخلہ۔ دوسری طرف عمرو ابن سعد کی آمد[1]۔

امام کی کوشش کہ جنگ نہ ہو۔ اور خلق خدا کا خون نہ گرایا جائے۔ کہ مسلمان مسلمان سے برسرپیکار ہو گا۔ ابن سعد کے حکم سے امام پر پانی کا بند کر دیا جانا۔ شب عاشورہ اور اس کے کوائف۔ امام کے رفقا اور اقربا کی شہادت۔ امام کی تنہائی[2]۔ جنگ مغلوبہ۔ ظالموں کی یورش۔ سیدنا حسینؑ کی شہادت۔ ظالموں کے ہاتھوں قیام اہلبیت کی غارتگری۔ اسرا کا

---

[1] آئے گا کوئی پہلے کوئی بعد آئے گا ۔ گیتی ہلے گی جب عمر سعد آئے گا

[2] انیس کا مصرعہ ہے ع آج شبیر پہ کیا عالم تنہائی ہے

دربار یزید تک پہنچنا۔ قافلہ اہلبیت کی واپسی اور مدینہ میں داخلہ۔

ان واقعات اور کوائف کے اظہار کے سلسلے میں انیس نے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ سیکڑوں مرثیے لکھے۔ لیکن کوئی مرثیہ ایسا نہیں جو یزید کی تخت نشینی سے لے کر مدینہ میں اہلبیت کی واپسی تک کے حالات پر مشتمل ہو۔ مختلف مرثیوں میں مختلف اہم واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً کربلا تک کا سفر۔ کربلا میں داخلہ۔ حر کا واقعہ۔ حضرت علی اصغر اور دوسرے اقربا کی شہادت وغیرہم۔ ان مرثیوں میں سے منضبط روایت کے تحت مرثیہ خواں محرم کے دس دنوں میں مختلف مرثیے یا ان کے اجزا پڑھتے ہیں۔

نہایت افسوس کا مقام تھا کہ ایسی کوششیں بہت کم ہوئیں جن کا مقصد یہ ہو کہ انیس کے مختلف مرثیوں کا ایسا انتخاب کیا جائے۔ جو بہ تسلسل و تواتر تمام اہم کوائف کو محیط ہو۔ اور جس میں داستان طرازی کی یہ صورت ہو جیسے شاعر پورا واقعہ سامنے رکھ کر اس کی مختلف جزئیات پر غور کر کے اور رد و انتخاب سے کام لے کر ایک مکمل تصویر پیش کر رہا ہے۔

زیر نظر کتاب میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ واقعات مربوط بہ حادثہ کربلا ترتیب سے پڑھنے والے کے سامنے آئیں۔ اس انتخاب ترتیب کی کچھ حدود خود بخود متعین ہو جاتی ہیں۔

۱۔ انتخابات کا وزن۔ یک آہنگ ہونا چاہیے۔

۲۔ صرف بنیادی کوائف کو پیش نظر رکھ کر معمولی جزئیات کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔

۳۔ انتخاب کو اور ترتیب کو انیسؔ کے کلام کی تمام خوبیوں کا

آئینہ دار ہونا چاہیئے۔

جہاں تک پہلی شرط کا تعلق ہے زیر نظر کتاب میں جو ایسی ہی ترتیب اور انتخاب پر مشتمل ہے۔ جتنے مرثیوں کے اجزا انتخاب کئے گئے ہیں سب کے سب بحر ہزج میں ہیں۔ (مثمن۔ اخرب۔ مکفوف۔ مکسور) وزن کی شکل یہ ہے۔

مفعول۔ مفاعیل۔ مفاعیل۔ مفاعیل

دو بار

یوں ایک شعر ہوتا ہے۔ جائز ہے۔ کہ آخری رکن مفاعیل کی بجائے فعولن ہو۔

مؤلف نے بحر کا انتخاب بہت اچھا کیا۔ کہ ہزج میں جتنے اوزان ہیں سب نہایت مترنم اور خوش لہجہ ہیں [۱]

جہاں تک دوسری شرط کا تعلق ہے۔ مؤلف اپنے کام سے خوب عہدہ برا ہوئے ہیں۔ لیکن انیسؔ کے کچھ نہایت نفیس اشعار ایسے بھی ہیں جو اسی وزن میں ہیں۔ درج ہونے کے قابل تھے۔ لیکن رہ گئے ہیں بہرحال

---

[۱] اصل لغت میں ہزج آغاز یا ترنم خوش آئند کو کہتے ہیں اور عرب اپنے بیشتر گیتوں کی دھنیں اسی بحر کے اوزان پر مبنی کرتے ہیں یہاں تک کہ رباعی جو ترانے کی شکل میں شعری ترنم کا بہترین نمونہ ہے بحر ہزج ہی کے اوزان میں کہی جاتی ہے۔ دیکھئے معیار الاشعار محقق طوسی۔ غیاث اللغات۔ فرہنگ آنند راج ؛

یہ معاملہ تیسری شق سے مربوط ہے اور یہاں ذوقِ سلیم کی انفرادیت یقیناً کارفرما ہوتی ہے۔

فاضل مؤلف نے واقعہ کو جن ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے

(۱) مدینے سے روانگی

(۲) مکے سے روانگی

(۳) راستہ

(۴) کربلا میں تشریف آوری

(۵) شبِ شہادت

(۶) صبحِ شہادت

(۷) شہادت حبیب ابنِ مظاہر

(۸) شہادت پسران حضرت مسلم

(۹) شہادت پسران حضرت زینب

(۱۰) شہادت حضرت قاسم

(۱۱) شہادت حضرت عباس

(۱۲) شہادت حضرت علی اکبر

(۱۳) شہادت حضرت علی اصغر

(۱۴) شہادت حضرت امام

معلوم ہوگا کہ مؤلف نے بڑی محنت سے بنیادی کوائف کا انتخاب کیا ہے۔ اور اپنے ذوقِ سلیم کا ثبوت بھی دیا ہے۔ شبِ شہادت کا آغاز یوں ہوتا ہے:۔

جب زلف کو کھولے ہوئے لیلائے شب آئی
پردیس میں سادات پہ آفت عجب آئی
فریاد کناں روح امیر عرب آئی
غل تھا کہ شب قتل شہ تشنہ لب آئی
سادات کو کیا کیا غم جاں کاہ دکھائے
رات ایسی مصیبت کی نہ اللہ دکھائے

ہرچند کہ بعض مقامات مناظر فطرت کی تصویر کشی سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاہم یہ شعور ہوتا ہے کہ ایسے اشعار بہت کم ہیں جس میں انیس نے مناظر طبعی کی تصویر کھینچی ہے۔ مسلم ہے۔ کہ میر حسن کی طرح انیس بھی مناظر فطرت کی نقاشی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ مان لیا کہ بعض مرثیے اس لئے شامل نہیں کئے جا سکتے۔ کہ وزن کے اعتبار سے یک آہنگ نہیں[1]۔ لیکن اس کے باوجود یہ شعور ہوتا ہے۔ کہ اس وزن میں بھی جو مرتب نے منتخب کیا ہے۔ صبح شام کی نہایت اچھی تصویریں مل سکتی تھیں۔ انیس کا کام فقط یہی نہیں کہ ہمیں اپنی طبع حساس کی نزاکتوں سے کام لے کر آہ و بکا پر آمادہ کرے بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے اظہار کو شعری ابلاغ کی حسین ترین صورت دے۔ اردو میں فطری مناظر کی تصویر کشی اتنی کم ہے کہ انیس کے کلام میں سے ایسے بندوں کا انتخاب نہ کرنا انیس پر اور اردو شاعری پر ظلم ہے۔ انیس اس معاملے میں اردو شعر کی آبرو ہیں۔ انہوں

---

[1] مثلاً صبح کا وہ بیان جس کا یہ مصرعہ ہے ع دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوج طور

نے ایسی نزاکت و نفاست سے مناظر کی تصویریں کھینچی ہیں۔ کہ مصور کا موقلم ان کے آگے سربسجدہ ہے۔ امید ہے کہ اگلے ایڈیشن میں اس طرف توجہ کی جائے گی۔

بہرحال فاضل مرتب ہر طرح ہماری داد کے مستحق ہیں اور ثواب کے سزاوار۔ کہ انہوں نے کم ازکم ایک راستہ تو کھول دیا۔ امامیہ مشن بتدریج اچھی سے اچھی کتابیں شائع کر رہا ہے۔ اس سے بجا طور پر یہ توقع رکھی جا سکتی ہے۔ کہ ممکن ہو تو آئندہ ایک نیا انتخاب بھی کرایا جائے۔ کہ انیس کے کلام سے ایسے کئی انتخابی مجموعے برآمد ہو سکتے ہیں؛

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مدینے سے روانگی

کنعانِ محمدؐ کے حسینوں کا سفر ہے　　خورشید لقا دہرو جبینوں کا سفر ہے
چھٹتا ہے وطن گوشہ نشینوں کا سفر ہے　　اک دن کا نہیں کُچھ مہینوں کا سفر ہے

گُل رو چمنِ دہر سے جانے کو چلے ہیں
گھر چھوڑ کے جنگل کے بسانے کو چلے ہیں

دشمن کو بھی اللہ چھڑائے نہ وطن سے　　جانے وہی بُلبُل جو بچھڑ جائے چمن سے
واقف ہے مسافر کا دل اس رنج و مِحَن سے　　چھٹتا نہیں گھر جان نکل جاتی ہے تن سے

آرام کی صورت نہیں مسکن سے بچھڑ کر
طائر بھی پھڑکتا ہے نشیمن سے بچھڑ کر

غربت کی بھی ہوتی ہے عجب صبح عجب شام　　کرتا ہے سفر قافلۂ راحت و آرام
وہ دشت نوردی وہ غم و صدمہ و آلام　　منزل پہ بھی ممکن نہیں راحت کا سرانجام

نیند آتی ہے کب لاکھ جو ٹیکے وہ سر اپنا
یاد آتا ہے منزل پہ مسافر کو گھر اپنا

اُس فصل میں ہے منفعتِ فرزندِ پیمبرؐ جِن روزوں پکھیرو بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر
اندھیر ہے خاک اُڑتی ہے لُو چلتی ہے دن بھر جھیلوں سے پرندے بھی نکلتے نہیں باہر
یہ دھوپ میں حدّت ہے کہ سب گوشہ نشیں ہیں
سایہ کہاں، پتّے بھی درختوں میں نہیں ہیں

وہ لُو وہ تپش اور وہ گرمی کا مہینا سردی میں ہو ذکر اس کا تو آجائے پسینا
دشوار ہے اس دھوپ میں معصوموں کا جینا ویرانہ ہے بستی میں اُجڑتا ہے مدینا
حضرتؑ بھی گھٹے جاتے ہیں تشویشِ سفر سے
ہیں ساتھ وہ بچّے کہ جو نکلے نہیں گھر سے

برپا ہے مدینے میں تلاطم کئی دن سے ہے راحت و آرام و طرب گم کئی دن سے
ہر گھر میں ہے اک شورِ تظلّم کئی دن سے منہ ڈھانپے ہوئے روتے ہیں مردم کئی دن سے
وہ غم ہے کہ آرام کا جویا نہیں کوئی
راتیں کئی گزری ہیں کہ سویا نہیں کوئی

کہتا ہے کوئی کیا ہوا یہ بیٹھے بٹھائے کیا جانیے خط کوفے سے کس طرح کے آئے
روضہ پہ نبیؐ کے شہِ دیں رہنے نہ پائے کچھ ایسا ہو یارب کہ یہ مظلوم نہ جائے
کوفے میں محبت نہ مروّت نہ حیا ہے
خط لکھ کے بلانے میں دغا ہے

خلقت کا ہے مجمع درِ دولت پہ سحر سے جو آتا ہے روتا ہوا آتا ہے وہ گھر سے
سب کہتے ہیں برسا کے لہو دیدۂ تر سے چھپ جائے گا اب فاطمہؑ کا چاند نظر سے
اندھیر ہے گر یہ شہِ والا نہ رہے گا
اب شہر کی گلیوں میں اُجالا نہ رہے گا

در پر کوئی روتا ہے کوئی راہ گذر میں ۔۔۔ تاریک ہے دنیا کسی غمگیں کی نظر میں
ہیں جمع محلّے کی جو سب بیبیاں گھر میں ۔۔۔ اک حشر ہے ناموسِ شہِ جن و بشر میں
سب مل کے بُکا کرتے ہیں جب آتا ہے کوئی
یوں روتے ہیں جس طرح کہ مر جاتا ہے کوئی

سب کہتے ہیں زینبؑ سے کہ اے شاہ کی شیدا ۔۔۔ کس طرح کے خطا آئے یکایک یہ ہوا کیا
پانی کی کمی گرمی کے دن خوف کا رستا ۔۔۔ وہ دھوپ پہاڑوں کی وہ لُو اور وہ صحرا
کیا سوچ کے اس فصل میں شبیرؑ چلے ہیں
بچوں پہ کرو رحم کہ نازوں کے پلے ہیں

مُنہ دیکھ کے اصغرؑ کا چلا آتا ہے رونا ۔۔۔ آرام سے مادر کے کہاں گود میں سونا
جھولا یہ کہاں اور کہاں نرم بچھونا ۔۔۔ لکھا تھا اسی سن میں مسافر انھیں ہونا
کیا ہوگا جو میداں میں ہوا گرم چلے گی
یہ پھول سے کُمھلائیں گے ماں ہاتھ ملے گی

سُنتے ہیں یہ ہر وارد و صادر کی زبانی ۔۔۔ جھیلوں میں بھی نہروں میں بھی سب خشک ہے پانی
اس فصل میں ہوتی ہے بہت تشنہ دہانی ۔۔۔ کس طرح جئیں گے اسداللہ کے جانی
تو فسا ہوا بچہ کبھی جانبر نہیں ہوتا
جب خشک ہوا پھول تو پھر تر نہیں ہوتا

ہے ہے چھ مہینے کے بھی بچے کا سفر ہے ۔۔۔ کچھ تم کو پہاڑوں کی بھی گرمی کی خبر ہے
غربت میں جوانوں کے تلف ہونے کا ڈر ہے ۔۔۔ رحم اس پہ ہے لازم کہ یہ بچہ گلِ تر ہے
اصغرؑ کو جدا دکھ ہو قلق ماں کو جدا ہو
گرمی کے سبب دودھ جو گھٹ جائے تو کیا ہو

فرماتی تھیں زینب نہیں بہنوں کو کوئی چارا　　قسمت میں جاہی ہے تو کیا زور ہمارا
گھر چھوڑ کے جانا ہے کسی کو بھی گوارا　　مجبور ہے مضطر ہے یہ اللہ کا پیارا

ایامِ مصیبت کے ہیں تنہائی کے دن ہیں
غربت کی شبیں، بادیہ پیمائی کے دن ہیں

باتیں یہ ابھی تھیں کہ شہ بحر و بر آئے　　دیکھا رُخِ ہمشیر کو اور اشک بہائے
ماں بیٹھی تھی صغرا کو جو چھاتی سے لگائے　　روتے ہوئے تشریف شہِ دیں وہیں لائے

بیٹی شہِ ذیجاہ کی تعظیم کو اُٹھی
بستر سے عصا تھام کے تسلیم کو اُٹھی

جلد اس کے قریب آ کے یہ کہنے لگے حضرت　　بیٹھو کہ ابھی اُٹھنے کی تم میں نہیں طاقت
اک ضعف کی تصویر ہو ایسی ہے نقاہت　　کیوں رات کو کیسی رہی بی بی کی طبیعت

تپ میں جو کراہی تھیں تو گھبرائے تھے صغرا
بیہوش تھیں تم شب کو بھی ہم آئے تھے صغرا

صحت تمہیں حق دے یہی بابا کی دعا ہے　　اولاد کو راحت ہو تو جینے کا مزا ہے
اب بادیہ پیمائی ہے ایذا ہے بلا ہے　　کیا جانیے شبیرؑ کی تقدیر میں کیا ہے

دل جلتا ہے جب تپ میں تمہیں پاتا ہوں صغرا
اس رنج سے میں اور گھلا جاتا ہوں صغرا

ایسا سفر صعب اور اس طرح کا بیمار　　ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائے کہیں راہ میں آزار
کیا نرگسی آنکھوں سے نقاہت ہے نمودار　　سب زرد ہے اور ان حرارت سے تن زار

چہرے پہ کسی روز بحالی نہیں پاتا
سرعت سے کبھی نبض کو خالی نہیں پاتا

دم چڑھتا ہے بستر سے اٹھاتی ہو اگر سر — بی بی کہو محمل میں چڑھا جائے گا کیونکر
گھر میں تمھیں پانی کی بھڑک رہتی ہے دن بھر — پھر کیا ہو کسی دن جو نہ پانی ہو میسّر
تم چلنے کے قابل نہیں میں رہ نہیں سکتا
سب ہے یہ تشویش کہ کچھ کہہ نہیں سکتا

لو چلتی ہے خاک اڑتی ہے گرمی کے ہیں ایام — منزل پہ نہ راحت نہ کہیں راہ میں آرام
بستی میں کہیں صبح تو جنگل میں کہیں شام — دریا کہیں حائل کہیں پانی کا نہیں نام
صحت میں گوارا ہے جو تکلیف گزر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مر جائے

گھر میں تمھیں چھوڑوں یہ نہیں دل کو گوارا — لے جاؤں تو بچنا نہیں ممکن ہے تمھارا
بچوں میں کوئی تم سے زیادہ نہیں پیارا — مجبور ہوں بے ہجر نہیں اب کوئی چارا
فرقت میں سدا نالہ و فریاد کروں گا
اتروں گا جو منزل پہ تمھیں یاد کروں گا

صغرا نے کہا آپ کی الفت کے میں قرباں — پھر کس کو ہو گر آپ کو لونڈی کا نہ ہو دھیاں
صدقے گئی صحت کا بھی ہو جائیگا ساماں — مولا کی توجہ ہے ہر اک درد کا درماں
جس پر نظرِ لطف مسیحِ دوسرا ہو
برسوں کا ہو بیمار تو اک دن میں شفا ہو

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت — تپ کی بھی ہے شدت میں کئی روز سے خفت
بستر سے میں خود اٹھ کے ٹہلتی بھی ہوں حضرت — پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت
حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقیں ہے
اب تو مرے منہ کا بھی مزا تلخ نہیں ہے

کیوں روتے ہو بابا یہ تردّد کی نہیں جا   سب سہل ہے کچھ مجھ کو نہیں ہونے کی ایذا
پہلے سے کہے دیتی ہوں اے سیّدِ والا   مَیں خانۂ ویراں میں نہیں رہنے کی تنہا
اب رُوح مرے جسم میں گھبراتی ہے بابا
ان باتوں سے کچھ بوئے فراق آتی ہے بابا

مرجاؤں گی بچھڑی جو مسیح دوسرا سے   صحت مجھے ہو جائے گی حضرت کی دعا سے
کٹ جائے گا اندوہ سفر فضلِ خدا سے   بیماری میں جان آئیگی جنگل کی ہوا سے
سب ساتھ ہیں رونے کی نہ غم کھاؤں گی بابا
لیٹی ہوئی محمل میں چلی جاؤں گی بابا!

کیا تاب اگر منہ سے کہوں درد ہے سر میں   اُف تک نہ کروں بھڑکے اگر آگ جگر میں
بھولے سے بھی شب کو نہ کراہوں گی سفر میں   قربان گئی چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر میں!
ہو جاتا خفا راہ میں گر روئے گی صغرا
یاں نیند کب آتی ہے جو واں سوئے گی صغرا

وہ بات نہ ہوگی کہ جو بے چین ہو مادر   ہر صبح میں پی لوں گی دوا آپ بنا کر
دن بھر مری گودی میں رہیں گے علی اصغر   لونڈی ہوں سکینہ کی نہ سمجھو مجھے دختر
میں یہ نہیں کہتی کہ عماری میں بٹھا دو
بابا مجھے فضّہ کی سواری میں بٹھا دو

شہ بولے کہ واقف ہے مرے حال سے اللہ   میں کہہ نہیں سکتا جو مجھے درپیش ہے جو راہ
کھل جائیگا یہ راز بھی گو تم نہیں آگاہ   ایسا بھی کوئی ہے جسے بیٹی کی نہ ہو چاہ
ناچار یہ فرقت کا الم سہتا ہوں صغرا
ہے مصلحتِ حق یہی جو کہتا ہوں صغرا

اے نورِ بصر آنکھوں پہ لے کر تجھے چلتا — تو مجھ سے بہلتی مرا دل تجھ سے بہلتا
تپ ہے تجھے اور غم سے جگر ہے مرا جلتا — یہ ضعف کہ دم تک نہیں سینے میں سنبھلتا
بجز ہجر علاج اور کوئی ہو نہیں سکتا
دانستہ تمہیں ہاتھ سے میں کھو نہیں سکتا

تھوڑے ہی دنوں ہوئیگی کنبے سے جدائی — پردیس سے آکر تمہیں لے جائینگے بھائی
کی مجھ سے نہ گر کو تہ کی خلقت نے برائی — ممکن ہے کہ میں اور نہ کروں وعدہ وفائی؟
خوش ہوں گا تم اب دل پہ اگر جبر کرو گی
مر جاؤں گا جب میں تو نہ کیا صبر کرو گی؟

ثابت ہوا صغرا پہ کہ اب ہم رہے گھر میں — بس پھر گئی تنہائی کی تصویر نظر میں
اک جوش ہوا آنسوؤں کا دیدۂ تر میں — صدمے سے کھٹک درد کی پیدا ہوئی سر میں
شکل اپنی شبِ ہجر جو دکھلا گئی اس کو
کانپا یہ تنِ زار کہ تپ آگئی اس کو

منہ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بصد غم — چتون سے عیاں تھا کہ چلیں آپ موئے ہم
ماں کہتی تھی مختار ہیں بی بی شہِ عالم — میرے تو کلیجے پہ چھری چلتی ہے اس دم
وہ درد ہے جس درد سے چارا نہیں صغرا
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہیں صغرا

صغرا نے کہا کوئی کسی کا نہیں زنہار — سب کی یہی مرضی ہے کہ مر جائے یہ بیمار
اللہ نہ وہ آنکھ کسی کی ہے نہ وہ پیار — اک ہم ہیں کہ ہیں سب پہ فدا سب کے ہیں غمخوار
بیزار ہیں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا
سچ ہے کوئی مُردے سے محبت نہیں کرتا

پیاری ہیں جو دو بیٹیاں جائیں گی وہ ہمراہ — کیا اُنس کہ میں گور کنارے بھی تو ہوں آہ
بابا کو نہ اماں کو نہ بھنوں کو مری چاہ — سب جیتے رہیں خیر ہمارا بھی ہے اللہ
بھُولے سے نہ اب خاطر ناشاد کریں گے
میں قبر میں جب ہوں گی تو سب یاد کریں گے

کیا خلق میں لوگو کوئی ہوتا نہیں بیمار — ہے کون سی تقصیر کہ سب ہو گئے بیزار
زندہ ہوں پہ مُردے کی طرح ہو گئی دشوار — کیوں بھاگتے ہیں سب مجھے ہے کونسا آزار
حیرت میں ہُوں باعث مجھے کھُلتا نہیں اسکا
وہ آنکھ چُرا لیتا ہے منہ تکتی ہوں جس کا

تپ کیا مجھے آئی کہ پیام اجل آیا — ہے ہے مری راحت کی بنا میں خلل آیا
چھوڑا مجھے سب نے جو سفر کا محل آیا — کیا خوب مری نخل تمنا میں پھل آیا
دل سخت کیا ماں نے مجھے غم ہے اسی کا
سچ ہے کہ زمانے میں نہیں کوئی کسی کا

وہ چاہنے والا ہے مصیبت میں جو کام آئے — میں سب کی ہوئی اور کوئی میرا نہ ہوا ہائے
اس راہ میں ہمراہ کنیزیں تو ہوں اے وائے — کہنے کی جو ہو چاہنے والی وہی رہ جائے
بیماری مزمن میں دوا خوب ہوئی ہے
تجویز مرے واسطے کیا خوب ہوئی ہے

تنہائی میں رونے سے اتر جائے گی یہ تپ — ہاں درد بھی سر میں مرے ہوئیگا نہیں اب
تڑپوں گی تو جائے گی یہ اعضا شکنی سب — بہتر یہی ترکیب ہے نسخہ یہی انسب
کم ہو گی حرارت الم و رنج و محن میں
غم کھانے سے آجائے گی طاقت مرے تن میں

کھوئیگا یہ سُستی کو بھی راتوں کا نہ سونا — تفریح مجھے بخشے گا منہ اشکوں سے دھونا
تسکین ہے بالیں پہ عزیزوں کا نہ ہونا — تنقیۂ کامل ہے مرے واسطے رونا
راحت سے شب و روز علاقہ مجھے ہوگا
فاقہ جو کروں گی تو افاقہ مجھے ہوگا

تنہائی میں شدت بھی نہ ہوگی خفقاں کی — بیمار کا دل بہلے گا وحشت سے مکاں کی
تڑپوں گی نہ فرقت میں امامِ دوجہاں کی — شفقت مجھے یاد آئیگی بہنوں کی نہ ماں کی
فرقت میں مری طرح جگر کس سے سنبھلتا
میں گھر میں نہ ہوتی تو یہ گھر کس سے سنبھلتا

سب چاہنے والے ہیں کروں کس کی شکایت — بابا کی یہ تقریر ہے بہنوں کی یہ صورت
چھوڑا ہمیں بس دیکھ لی اماں کی محبت — بولیں نہ پھوپھی جان بھی کچھ واہ ری قسمت
فرقت کا الم میرے کلیجے پہ چھری ہے
سب اچھے ہیں لوگو مری تقدیر بُری ہے

عاشق مرے مشہور ہیں بھیا کے ہیں واری — دو دن سے خبر بھی نہیں لی آکے ہماری
قاسم کو غرض کیا جو سنیں گریہ و زاری — میں کون! سکینہ ہے چچا جان کو پیاری
اللہ تو ہے گر کوئی غمخوار نہیں ہے
مٹی مری کچھ قبر کو دشوار نہیں ہے

سب بیبیاں رونے لگیں سُن سُن کے یہ تقریر — چھاتی سے لگا کر اُسے کہنے لگے شبیرؑ
لو صبر کرو کوچ میں اب ہوتی ہے تاخیر — منہ دیکھ کے چپ ہو گئی وہ بیکس و دلگیر
نزدیک تھا دل چیر کے پہلو نکل آئے
"اچھا" تو کہا منہ سے پہ آنسو نکل آئے

بانو کو اشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ اکبرؑ کو بلاؤ، علی اصغرؑ کو بلاؤ!
آئے علی اکبرؑ تو کہا شاہ نے آؤ روٹھی ہے بہن تم سے گلے اسکو لگاؤ

چلتے ہوئے جی بھر کے ذرا پیار تو کر لو
لینے انھیں کب آؤ گے اقرار تو کر لو

پاس آن کے اکبرؑ نے یہ کی پیار کی تقریر کیا مجھ سے خفا ہو گئیں صغرا مری تقصیر
چلانے لگی چھاتی پہ منہ رکھ کے وہ دلگیر محبوب برادر ترے قربان یہ ہمشیر

صدقے ترے سر پر سے اتارے مجھے کوئی
بل کھائی ہوئی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی

پیارے مرے بھیا مرے ماہ رو علی اکبر چھپ جائیں گے آنکھوں سے یہ گیسو علی اکبر
یاد آئے گی یہ جسم کی خوشبو علی اکبر ڈھونڈیں گی یہ آنکھیں تمھیں ہر سو علی اکبر

دل سینہ میں کیونکر تہ و بالا نہ رہے گا
جب چاند چھپے گا تو اُجالا نہ رہے گا

ہاں سچ ہے کہ بیمار کا بہتر نہیں جانا صحت سے جو ہیں ان میں کہاں میرا ٹھکانا
بھیا جواب آنا تو مری قبر پہ آنا ہم گور کی منزل کی طرف ہونگے روانا

کیا لطف کسی کو نہیں گر چاہ ہماری
وہ راہ تمھاری ہے تو یہ راہ ہماری

مرنا تو مقدر ہے غم اس کا نہیں زنہار دھڑکا ہے کہ جب ہونگے عیاں موت کے آثار
قبلہ کی طرف کون کرے گا رخ بیمار یٰسین بھی پڑھنے کو نہ ہوگا کوئی غمخوار

سانس اکھڑے گی جس وقت تو فریاد کروں گی
میں ہچکیاں لے لیکے تمھیں یاد کروں گی

ماں بولی یہ کیا کہتی ہے صغرا ترے قرباں — گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جان
بیکس مری بچی، ترا اللہ نگہبان — صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آن
کیا بھائی جدا بہنوں سے ہوتے نہیں بیٹا
کنبے کے لیے جان کو کھوتے نہیں بیٹا

میں صدقے گئی بس نہ کرو گریہ و زاری — اصغر مرا روتا ہے صدا سُن کے تمھاری
وہ کانپتے ہاتھوں کو اُٹھا کر یہ پکاری — آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری
چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان گئے تم
اصغر مری آواز کو پہچان گئے تم

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہیں سکتی — تپ ہے تمھیں چھاتی سے میں لپٹا نہیں سکتی
جو دل میں ہے وہ لب پہ سخن لا نہیں سکتی — رکھوں تمھیں ہاتوں کو میں سمجھا نہیں سکتی
بیکس ہوں مرا کوئی مددگار نہیں ہے
تم ہو سو تمھیں طاقت گفتار نہیں ہے

معصوم نے جس دم یہ سُنی درد کی گفتار — صغرا کی طرف ہاتھوں کو لٹکا دیا اک بار
لے لے کے بلائیں یہ لگی کہنے وہ بیمار — جھک جھک کے دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار
دُنیا سے کوئی دم میں گزر جائے گی صغرا
تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مر جائے گی صغرا

بھائی نے اتنے میں یہ ڈیوڑھی سے پکارا — چلنے کے لیے قافلہ تیار ہے آقا
لپٹا کے گلے فاطمہ صغرا کو دوبارا — اُٹھے شہ دیں گھر تہ و بالا ہوا سارا
جس چشم کو دیکھا سو وہ پُرنم نظر آئی
اک مجلس ماتم تھی کہ برہم نظر آئی

بیت الشرفِ خاص سے نکلے شہِ ابرار　روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترتِ اطہار
قراول کو عباس پکارے یہ بتکرار　پردے کی قناتوں سے خبردار خبردار
باہر حرم آتے ہیں رسولِ دوسرا کے
شقہ کوئی جھک جائے نہ جھونکے سے ہوا کے

لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو وہ اُتر جائے　آتا ہو ادھر جو وہ اسی جا پہ ٹھہر جائے
ناقے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گزر جائے　دیتے رہو آواز جہاں تک کہ نظر جائے
مریمؑ سے سوا حق نے شرف ان کو دیے ہیں
افلاک پہ آنکھوں کو ملک بند کیے ہیں

عباس علی سے علی اکبر نے کہا تب　ہیں قافلہ سالارِ حرم حضرت زینبؑ
پہلے چلیں وہ اسوار تو محمل میں چڑھیں سب　حضرت نے کہا ہاں یہی میرا بھی ہے مطلب
گھر میں مرے زہرا کی جگہ بنتِ علی ہے
میں جانتا ہوں ماں مرے ہمراہ چلی ہے

زینت دہِ محمل جو ہوئی دخترِ زہرا　ناقوں پہ چڑھے سب حرمِ سید والا
آنے لگے رہوار کھلا گرد کا پردا　عباس سے بولے یہ شہِ یثرب و بطحا
صدمہ ہے بچھڑنے کا مرے روحِ نبیؐ پر
رخصت کو چلو قبرِ رسولِ عربیؐ پر

ہے قبر پہ نانا کے مقدم مجھے جانا　کیا جانیے پھر ہو کہ نہ ہو شہر میں آنا
اماں کی ہے تربت پہ ابھی اشک بہانا　اس مرقدِ انور کو ہے آنکھوں سے لگانا
آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبرِ حسنؑ سے

پیدل شہِ دیں روضۂ احمد کو سدھارے — تربت سے صدا آئی کہ آ آ مرے پیارے
تعویذ سے شبیرؑ لپٹ کر یہ پکارے — ملتا نہیں آرام نواسے کو تمہارے
خط کیا ہیں اجل کا یہ پیام آیا ہے نانا
آج آخری رخصت کو غلام آیا ہے نانا

خادم کو کوئی امن کی اب جا نہیں ملتی — راحت کوئی ساعت مرے مولا نہیں ملتی
دکھ کونسا اور کون سی ایذا نہیں ملتی — ہیں آپ جہاں راہ وہ اصلا نہیں ملتی
پابندِ مصیبت ہوں گرفتارِ بلا ہوں
خود پاؤں سے اپنے طرفِ قبر چلا ہوں

میں اک تنِ تنہا ہوں ستمگار ہزاروں — اک جان ہے اور درپئے آزار ہزاروں
اک پھول سے رکھتے ہیں خلش خار ہزاروں — اک سر ہے فقط اور خریدار ہزاروں
واں جمع کئی شہر کے خونریز ہوئے ہیں
خنجر مری گردن کے لیے تیز ہوئے ہیں

فرمائیے اب جائے کدھر آپ کا شبیرؑ — یاں قید کی ہے فکر ادھر قتل کی تدبیر
تیغیں ہیں کہیں میرے لیے اور کہیں زنجیر — خونریزی کو کیسے تلک آ پہنچے ہیں بے پیر
بچ جاؤں جو پاس اپنے بلا لیجیے نانا
تربت میں نواسے کو چھپا لیجیے نانا

فرما کے یہ رویا کیے شہ سر کو جھکائے — واں سے جو اٹھے فاطمہؑ کی قبر پہ آئے
پائینِ لحد گر کے بہت اشک بہائے — آواز یہ آئی کہ میں صدقے مرے جائے
بے شور ترے کوچ کا جس دن سے وطن میں
پیارے میں اسی دن سے تڑپتی ہوں کفن میں

پہلو میں جو تھی فاطمہؑ کے تربتِ شبّر — اُس قبر سے پلٹے بہ محبت شہِ صفدر
چلّائے کہ شبیر کی رخصت ہے برادر — حضرت کو تو پہلو ہوا اماں کا میسّر
قبریں بھی جدا ہیں تہِ افلاک ہماری
دیکھیں ہمیں لے جائے کہاں خاک ہماری

یہ کہہ کے چلے قبرِ حسنؑ سے شہِ مظلوم — رہوار جو مانگا تو سواری کی ہوئی دھوم
یارانِ وطن گرد تھے افسردہ و مغموم — چلّاتے تھے خادم کہ چلا خلق کا مخدوم
خالی ہوا گھر آج رسولِ عربیؐ کا
تابوت اسی دھوم سے نکلا تھا نبیؐ کا

تھا ناکے تلک شہر کے اِک شورِ قیامت — سمجھاتے ہوئے سب کو چلے جاتے تھے حضرت
رو رو کے وہ کہتا تھا جسے کرتے تھے رخصت — پائیں گے کہاں ہم یہ غنیمت ہے زیارت
آخر تو بچھڑ کر کفِ افسوس ملیں گے
دس بیس قدم اور بھی ہمراہ چلیں گے

قسمیں انھیں دیدے کے کہا شہ نے کہ جاؤ — تکلیف تمھیں ہوتی ہے اب ساتھ نہ آؤ
اللہ کو سونپا تمھیں آنسو نہ بہاؤ — پھرنے کے نہیں ہم سے بس اب ہاتھ اٹھاؤ
اس بیکس و تنہا کی خبر پوچھتے رہنا
یارو مری صغرا کی خبر پوچھتے رہنا

لٹتے ہوئے وہ لوگ پھرے شاہ سدھارے — جو صاحبِ قسمت تھے وہ ہمراہ سدھارے
کس شوق سے مردانِ حق آگاہ سدھارے — عابد طرفِ خانۂ اللہ سدھارے
اُترے نہ مسافر کسی مخلوق کے گھر میں
عاشق کو کشش لے گئی معشوق کے گھر میں

مکّہ سے روانگی

روشن ہوئی کعبہ کی زمیں نورِ خدا سے　　مکّہ نے شرف اور بھی پایا شرفا سے
جھک جھک کے ملے سبطِ پیمبر غربا سے　　آباد ہوا شہر نمازوں کی صدا سے
خوش ہو کے ہوا خواہ یہ کہتے تھے علیؑ کے
سب باپ کی خو بو ہے نواسے میں نبیؐ کے

کعبہ میں مدینے سے تھے یہ سوچ کے آئے　　تھے اہلِ حرم کو بھی اسی واسطے لائے
اللہ کے گھر میں کوئی شاید نہ ستائے　　سو واں بھی یہ تھا خوف کہ حج کرنے نہ پائے
اللہ نے پیدا کیا کعبہ میں علیؑ کو
اور جائے سکونت نہ ملی سبطِ نبیؐ کو

مضطر تھے شبِ ہشتم ذی حجہ کو شبیرؑ　　تھا قصدِ مصمم کہ سوئے کوفہ ہوں رہگیر
کرتے تھے کبھی یاس سے رو رو کے یہ تقریر　　اب یاں سے کہاں دیکھیے لے جاتی ہے تقدیر
پھر کر جو وطن جائیں تو جانا نہ ملے گا
اب ہم کو بجز قبر ٹھکانا نہ ملے گا

تھے سبطِ نبیؐ کوچ کی تدبیر میں اس رات　　کی آ کے جو ابنِ حنفیہ نے ملاقات
بھائی سے بغلگیر ہوئے شاہ خوش اوقات　　کی عرض محمد نے کہ اے قبلۂ حاجات
کوفہ کی طرف جانے میں اندیشۂ جاں ہے
مکّہ میں مکیں ہو کے بزرگوں کا نشاں ہے

حق آپ کا سایہ رکھے ہم لوگوں کے سر پر — ہیں آپ ہی اب وارثِ ذرّیتِ حیدرؑ
کعبہ سے اُدھر آپ کا جانا نہیں بہتر — اندیشہ ہے کچھ رنج نہ پہنچائیں ستمگر
ان لوگوں میں مطلق نہ حمیت نہ حیا ہے
ظاہر میں طرفدار ہیں طینت میں دغا ہے

حیدرؑ ہیں نہ زہراؑ نہ حسنؑ ہیں نہ پیمبرؐ — تم چار بزرگوں کی نشانی ہو برادر
حضرت ہی کے رہنے سے مدینہ ہے منوّر — حُسنِ حَسَنؑ کے فروغ آپکا جلتے ہیں ستمگر
اس شمع کو بھی گُل نہ کریں مجھ کو یہ غم ہے
اب پنجتنِ پاک میں حضرت ہی کا دم ہے

حضرت نے کہا ہوتا ہوں ناچار روانا — بھاتا ہے کسے اپنا وطن چھوڑ کے جانا
میں بیکس و مظلوم ہوں دشمن ہے زمانا — اب تو ہے مدینہ میں نہ مکّے میں ٹھکانا
حاسد ہے کوئی درپئے آزار ہے کوئی
حامی ہے نہ کوئی نہ مددگار ہے کوئی

کرتا نہ سفر گر مجھے کوئی نہ ستاتا — باہر کبھی روضہ سے محمدؐ کے نہ جاتا
مرقد سے بزرگوں کے مقدر ہے چھڑاتا — میں کیا کروں بھائی مجھے کچھ بن نہیں آتا
بے دینوں کو جینا مرا منظور نہیں ہے
ہو جاؤں یہیں قتل تو کچھ دور نہیں ہے

ابنِ حنفیہ نے کہا تب بہ سماجت — گر جائیے تو سوئے یمن جائیے حضرت
واں آپ کے والد کی ہے شیعوں کی سکونت — وہ لوگ ہیں سب اہلِ وفا اہلِ مروّت
کیجیے گا سرفراز تو قدموں پہ گریں گے
پھر جائے زمانہ نہ وہ حضرت سے پھریں گے

بالفرض یمن میں بھی آرام نہ پاؤ شہروں سے کنارہ کرو جنگل کو بساؤ
تکلیف بیاباں میں سہو رنج اٹھاؤ پر بہرِ خدا کوفہ کی سرحد پہ نہ جاؤ

بچوں پہ کرو رحم کہ چھوٹے ابھی سن ہیں
اس راہ میں پانی ہے کم اور گرمی کے دن ہیں

فرمایا جہاں جاؤں کروں قصد جدھر کا چھوڑے گی اجل ساتھ نہ زہراؑ کے پسر کا
اب دھیان ہے شبیرؑ کو بچوں کا نہ گھر کا اب کیا یہ سفر مجھ کو وسیلہ ہے ظفر کا

گر کوچ سوئے کوفہ نہ ہوئے گا برادر
پھر کون مری قبر میں سوئے گا برادر

یہ سن کے محمدؑ نے کیا اور بھی اصرار جھک جھک گئے قدموں پہ برادر کے کئی بار
شہ نے کہا اسباب تو ہے کوچ کا تیار پھر جانے نہ جانے میں کروں مشورہ یکبار

جانا ہے تو ایذا کو بھی سہہ جائیگا شبیرؑ
رہنا ہے مقدر میں تو رہ جائیگا شبیرؑ

گھر اپنے محمدؑ تو گئے سن کے یہ گفتار گزری جو وہ شب صبح کے پیدا ہوئے آثار
حضرت نے کیا حکم کہ اونٹوں کو کرو بار نقارہ ہوا کوچ کا سب ہو گئے تیار

تھا شور کہ اب دیکھیے کب آتے ہیں شبیرؑ
کعبے سے مع اہلِ حرم جاتے ہیں شبیرؑ

چڑھنے لگے رہوار پہ جب سبطِ پیمبر فریاد سوئے کعبہ کی یہ ہاتھ اٹھا کر
چھٹتا ہوں ترے گھر سے میں اے خالقِ اکبر اس سال ہوا حج بھی نہ خادم کو میسر

پاس آن کے در سے جو ترے دور چلا ہوں
تو عالم و دانا ہے کہ مجبور چلا ہوں

اے رکن و مقام اب ہے مرا کوچ یہاں سے   چھٹتا ہے مکیں خالقِ اکبر کے مکاں سے
اس دشت میں مشتاقِ قضا جاتا ہوں یاں سے   کٹنا ہے مجھے ہونا ہے جہاں تیغ و سناں سے
کچھ غم نہیں دکھ ہو کہ بلا آئے بلا پر
راضی ہوں خداوندِ دو عالم کی رضا پر

اس راہ میں اب مجھ کو توقف کی نہیں تاب   رخصت ہے مری اے حجر و منبر و محراب
دل غم سے بھر آتا ہے اے زمزم و میزاب   دریا پہ لعیں ذبح کریں گے مجھے بے آب
اک جام، دمِ تشنہ دہانی نہ ملے گا
چاہیں گے کنوؤں سے بھی تو پانی نہ ملے گا

اے کوہِ صفا دل ہے مکدر ترے غم سے   صد پارہ ہے سینے میں جگر سنگِ الم سے
افسوس کہ کچھ ہو نہ سکی سعی بھی ہم سے   قسمت لیے جاتی ہے پہاڑوں میں حرم سے
سب لعل مرے گردِ غریبی سے اٹیں گے
گرمی کے یہ دن بچوں پہ سختی سے کٹیں گے

پھر قبرِ محمد کی طرف پڑھ کے زیارت   کی عرض مسافر کی دوبارہ ہے یہ رخصت
کعبہ میں بھی مولا نہ میسر ہوئی راحت   آزار پہ باندھے ہیں کمر اہلِ ضلالت
مخفی ہوئے ہیں قافلۂ حاج میں آ کے
پائیں تو مجھے ذبح کریں گھر میں خدا کے

ملجا ہے نہ ماوا ہے نہ مامن نہ مفر ہے   غربت کا تباہی کا مصیبت کا سفر ہے
تلواریں ہیں جلادوں کی اور اک مرا سر ہے   رکھتا ہوں جہاں پاؤں وہاں خوف و خطر ہے
توڑیں ادھیں گر پھل بھی پائیں مری بو کے
کانٹے بھی ہیں جنگل میں تو پیاسے ہیں لہو کے

دنیا میں ہیں دو امن کے گھر یا شہِ ابرار
اک خانۂ حق ایک درِ احمدِ مختارؐ
بے خوف ہے یاں آ کے جو مخفی ہو گنہگار
کر سکتا ہے سلطاں نہ وزیر اُسکو گرفتار

یہ خانۂ خالق ہے وہ حضرت کا مکاں ہے
میرے لیے امن نہ یہاں ہے نہ وہاں ہے

حاکم نے مدینے کے اُدھر مجھ کو ستایا
میں سوئے حرم ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا
جلادوں سے یاں بھی کوئی دم چین نہ پایا
میں دھوپ میں ہوں جب سے اُٹھا آپ کا سایا

حج بھی نہ میسر ہوا مغموم چلا ہوں
احرام تلک باندھ کے محروم چلا ہوں

فریاد ہے راحت مرے مولا نہیں ملتی
اک خیمہ بپا کرنے کو بھی جا نہیں ملتی
اب راہ پہاڑوں کی بھی اصلا نہیں ملتی
دیکھوں مجھے ملتی ہے لحد یا نہیں ملتی

راحت مری اُمت ہی کو منظور نہیں ہے
سنّی بھی نہ دیں مجھ کو تو کچھ دور نہیں ہے

یہ کہہ کے بڑھا یا شہِ مظلوم نے رہوار
جو آئے پھر ابنِ حنفیہ بدلِ زار
قدموں سے لپٹ کر کہا یا سیدِ ابرار
اس جلدی کے جانے کا سبب کیجیے اظہار

میں سمجھا تھا شب کو کہ ٹھہر جاؤ گے مولا
کیا آج ہی بیکس ہمیں کر جاؤ گے مولا

رو رو کے گلے بھائی کو رونے لگے حضرت
فرمایا کہ تھا رات تلک قصدِ اقامت
لیکن مجھے نیند آ گئی جب تم ہوئے رخصت
رویا میں میسر ہوئی نانا کی زیارت

تھا اشکوں سے تر چہرۂ گل رُوئے محمدؐ
آلودہ تھے سب خاک میں گیسوئے محمدؐ

رو کر یہ کہا میں نے کہ اے شاہِ خوش اقبال　　بندہ تو ہے آفت میں یہ کیا آپ کا ہے حال
فرمایا میں صدقے ترے اے فاطمہؑ کے لال　　کھیتی کو مری دشمنِ دیں کرتے ہیں پامال
راحت کا محمدؐ کے سرانجام کہاں ہے
جب تو ہوا بے چین تو آرام کہاں ہے

آلودہ جو ہیں خاک سے گیسو مرے سارے　　میں تیری لحد کھودتا تھا اے مرے پیارے
رویا ہوں تری پیاس پہ دریا کے کنارے　　جا جلد کہ حق تیرے سب کام سنوارے
اب تو مرے پاس آئیگا کچھ دیر نہیں ہے
جن رتبوں کا وعدہ تھا وہ ہنگام قریں ہے

ہے تیری شہادت ترے معشوق کو منظور　　تا عاشقِ صادق ہے تو خلق میں مشہور
حیدرؑ کی طرح ہے ترا دل صبر سے معمور　　مجھ سے بھی وہ ہوگا جو کسی کا نہیں مقدور
ہے قول کا صادق تری کیا بات ہے بیٹا
عزت مری امت کی ترے ہاتھ ہے بیٹا

منھ پیٹ لیا سن کے محمدؐ نے یہ تقریر　　رو رو کے کہا گر ہے یہی خواہشِ تقدیر
ناموس کو چھوڑو ہمیں اے حضرتِ شبیرؑ　　حرمت سے حرم میں رہے تا صاحبِ تطہیر
پردیس میں کیا جانیے کیا جور و جفا ہو
ڈر ہے کہیں زینبؑ نہ گرفتارِ بلا ہو

زینبؑ کی اسیری کا سخن سنتے ہی یکبار　　تھرا گیا دل رونے لگے سیدِ ابرار
سنتی تھی یہ تقریر جو سب زینبِؑ ناچار　　محمل سے محمدؐ کو پکاری بدلِ زار
کی تم نے سفارش مری کیا آہ برادر
بھائی سے چھڑاتے ہو مجھے واہ برادر

رہنے کی نہیں حیدرِ کرارؓ کی جائی — بھائی کے لیے ماں کی لحد چھوڑ کے آئی
نانا کے بھی روضہ سے ہوئی مجھ کو جدائی — مر جاؤں گی بچھڑے گا جو مجھ سے مرا بھائی
ہمراہ میں کاٹوں گی مصیبت کے سفر کو
تنہا نہیں چھوڑوں گی محمدؐ کے جگر کو

اب گھر سے ہے مطلب نہ مدینے سے مجھے کام — وہ شہر ہے جس میں ہو زہراؑ کا گل اندام
میں یاں نہ رہوں گی مرے رہنے کا نہ لو نام — بھائی مجھے معلوم ہے اس کوچ کا انجام
بابا نے مرے ہاتھ میں ہاتھ اُن کا دیا ہے
اماں نے مجھے بھائی کے ہمراہ کیا ہے

یہ کہہ کے جو روئی اسد اللہ کی پیاری — ابنِ حنفیہ کے بھی آنسو ہوئے جاری
حضرت نے کہا بھائی سے باگریہ و زاری — بہنیں مری قیدی ہوں یہ ہے مرضیٔ باری
کٹ کر سرِ شبیرؑ تو نیزے پہ علم ہو
پیچھے کھلے سر قافلۂ اہلِ حرم ہو

یہ سب تو مرے ساتھ ہیں آفت کے سفر میں — پر فاطمہ صغرا کو میں چھوڑ آیا ہوں گھر میں
ہے اس کی جدائی سے عجب درد جگر میں — ڈر ہے کہیں مر جائے نہ وہ ہجرِ پدر میں
روئے تو مرے سر کی قسم دیجیو بھائی
بیمار کو چھاتی سے لگا لیجیو بھائی

صغرا کا سُنا نام تو بانو یہ پکاری — کہ دیجو کہ مادر تمھیں بھولی نہیں بلدی
بہنوں کو بھی ہے آٹھ پہر یاد تمھاری — اصغرؑ مری گودی میں کیا کرتا ہے زاری
راتوں کو ترے غم میں نہیں سوتی ہے کبرٰا
جب ذکر ترا آتا ہے تب روتی ہے کبرٰا

ماں صدقے نہ تم آپ کو کڑھ کڑھ کے گھلانا ہمجولیوں کو پاس محلے سے بلانا
بابا کے لیے چھوڑ نہ دیجو کہیں کھانا روٹھوں گی اگر میرا کہا تم نے نہ مانا
ایام جدائی بھی گزر جائیں گے بیٹی
اللہ جو پھیرے گا تو پھر آئیں گے بیٹی

سب بیبیاں رونے لگیں سُن سُن کے یہ تقریر چھاتی سے لگا بھائی کو رخصت ہوئے شبیرؑ
تھا ملاحوں میں غل کہ زہے عزت و توقیر کس شان سے خاصانِ خدا ہوتے ہیں رہگیر
کیا نور ہے چہرے پہ مبارک غنچہ دہن کے
یہ پھول ہیں سب فاطمہ زہراؑ کے چمن کے

ہر سمت سے جوش یہ بیاں کرتی تھی خلقت گھوڑے پہ چلے جاتے تھے روتے ہوئے حضرت
ہر ایک سے فرماتے تھے یہ تھام کے رقت تم سب سے بھی شبیرؑ کی ہے آخری رخصت
اپنوں سے چھٹتا، حال نہ کیوں غیر ہو میرا
مانگو یہ دعا خاتمہ بالخیر ہو میرا

راستہ

یہ کہہ کے روانہ ہوا وہ خاصۂ باری　　گویا کہ بیاباں میں چلی بادِ بہاری
جنگل میں کھلا باغ یہ خوشبو ہوئی ساری　　فیاض نے صحرا کی بھی کی کاربراری
مہکے جو وہ گیسو تو بیابان کی بن آئی
نافے لیے جھولی میں نسیمِ ختن آئی

اونٹوں کو بھی تھا وجد حُدی خواں کی صدا سے　　گھوڑے بھی ترارے میں کچھ آگے تھے ہوا سے
غافل نہ تھا لشکر میں کوئی یادِ خدا سے　　صاف آتی تھی تکبیر کی آواز درا سے
صحرا تھا دمِ ظہر کہ دامن تھا جبل کا
غُل ہوتا تھا اک حیّ علیٰ خیر عمل کا

جس دشت میں اس سرورِ دوراں کے قدم آئے　　پابوس کو خار و گل و ریحاں بہم آئے
یوں آئے جدھر بڑھ کے امامِ امم آئے　　جس طرح برستا ہوا ابرِ کرم آئے
جو خشک تھا برسوں سے وہ جنگل بھی ہرا تھا
صحرا کا جو دامن تھا وہ پھولوں سے بھرا تھا

سب کہتے تھے اے احمدِ مختار کے جائے　　کیوں خانۂ حق چھوڑ کے مولا ادھر آئے
فرماتے تھے شبیرؑ کہ ہم رہنے نہ پائے　　یوں کوئی مسلماں نہ مسلماں کو ستائے
تیاری تیغ و تبر و تیر ہوئی ہے
تدبیرِ گرفتاریِ شبیرؑ ہوئی ہے

گر دستِ ستم حج میں بڑھاتے وہ ستمگار — چلتی حرمِ حضرتِ معبود میں تلوار
بگڑے تھے خبر سنتے ہی جو اس خوش اطوار — باندھے ہوئے ہیں تا صبح سرِ شام سے ہتھیار
بکھرے ہوئے ضیغم کہیں افواج سے رکتے
نہ مجھ سے نہ یہ قافلۂ حاج سے رکتے

سوچا میں کہ یاں مجھ پہ اگر کچھ ہوئی بیداد — حرمت حرمِ کعبہ کی ہو جائے گی برباد
گر ساتھ نہ ہوتی اسداللہ کی اولاد — حاضر تھا میں گر سر بھی مرا کاٹتے جلّاد
پہلے جو فساد آہ اُدھر سے نہ نکلتا
مر کر بھی میں اللہ کے گھر سے نہ نکلتا

کس کو نہیں معلوم تہِ چرخِ مقرنس — مولد مرے بابا کا ہے یہ خانۂ اقدس
فرصت نہ ملی حج کی میں ایسا ہوا بے بس — مقصود یہ مجھ سا بھی نہ ہوگا کوئی بے کس
تیغوں سے نہ ملتی انھیں مہلت کوئی دم کی
واللہ مجھے پاس تھا حرمت کا حرم کی

سب عرض یہ کرتے تھے کہ اے خلق کے والی — قریوں میں غلاموں کے مکاں بھی تو ہیں خالی
بندوں کو سرافراز کریں سرورِ عالی — مہماں ہوں غریبوں کے یہ انصار و موالی
فخر اس کا ہے رُخ آپ کا جس دہ کی طرف ہو
عزت ہو جو مُردوں کی تو زندوں کا شرف ہو

سرسبز زراعت بھی ہے جھیلیں بھی ہیں پُر آب — میوے بھی تر و تازہ ہیں گلشن بھی ہیں شاداب
حاضر ہے ہر اک چیز جو امکاں میں ہے اسباب — باہر ہو کوئی حکم سے مولا کے یہ کیا تاب
جیتے ہیں تو حضرت کی غلامی میں رہیں گے
ہم جان بھی دے دینے میں صرفہ نہ کریں گے

فرماتے تھے حضرت تمہیں خالق رکھے آباد — دنیا میں برومند ہو ایک ایک کی اولاد
کیا اپنی تباہی کہوں میں بیکس و ناشاد — روؤ گے مفصل جو سنو گے مری روداد
درپیش ہے وہ راہ کہ کچھ کہہ نہیں سکتا
بے کنجِ لحد اب میں کہیں رہ نہیں سکتا

جائے گا اسی سمت یہ مظلوم مسافر — منزل جو ازل سے ہے معین مرے خاطر
بستی ہو کہ جنگل وہی حافظ وہی ناصر — آتا ہے محرم یہ مہینہ بھی ہے آخر
کھل جائے گا ہونا ہے جو کچھ سبطِ نبیؐ پر
قصہ مرا مخفی نہیں رہنے کا کسی پر

ہر چند کہ لُو چلتی ہے اُٹھتے ہیں بگولے — اشجار خزاں دیدہ بھی اب تک نہیں پھولے
پڑجاتا ہے چھالا کوئی آہن کو جو چھولے — تم لوگوں کی ایسی نہیں الفت کہ جو بھولے
موت آئی تو بن میں کسی صحرا کے رہیں گے
جیتے جو پھرے ہم تو یہیں آکے رہیں گے

ان سب سے یہ فرما کے چلے سیدِ ابرار — روتے ہوئے بستی میں گئے اپنے وہ دیندار
پھرتے تھے وہی جنگل وہی صحرا وہی کہسار — بستی تھی نہ کوسوں نہ کہیں سایۂ اشجار
گرمی تھی کہ تھے نخل بھی سوکھے ہوئے بن کے
مرجھا گئے تھے پھول محمدؐ کے چمن کے

وہ کوس کڑے اور پہاڑوں کی وہ راہیں — وہ دھوپ کی شدت تھی کہ جلتی تھیں نگاہیں
دشوار تھا پانی کسی چشمے سے جو چاہیں — اٹھتا تھا دھواں دل سے نکل جاتی تھیں آہیں
سنولا گئے تھے چاند سے منہ سیمبروں کے
ثابت تھا کہ خورشید برابر ہے سروں کے

چہروں پہ جوانانِ علیؑ روکے تھے ڈھالیں   کو دیتی تھیں نیزوں کی چمکتی ہوئی بھالیں
گرمی سے وہ کیونکر نہ زبانوں کو نکالیں   دھوپ ان پہ جنھیں سایہ میں سیدانیاں پالیں
اللہ رے تب و تاب بیابانِ بلا کی
پھولوں کا عرق کھنچتا تھا گرمی سے ہوا کی

مخفی تھے شجر شدتِ گرما سے حجر میں   جلتی تھی یہ لُو آگ بھڑکتی تھی جگر میں
نے بحر میں راحت تھی کسی دل کو نہ بر میں   جھیلوں میں نہ پانی تھا نہ پتے تھے شجر میں
پایاب تھے گرمی سے وہ دریا جو بڑے تھے
سوتیں بھی نہ آتی تھیں کنویں خشک پڑے تھے

پتھر کی چٹانوں سے نکلتے تھے شرارے   ناری تھی ہوا سبز شجر زرد تھے سارے
ڈوبے تھے عرق میں اسد اللہ کے پیارے   دھڑکا تھا کہ یہ لُو کسی بچے کو نہ مارے
ہوش آتا نہ تھا اصغرِ معصوم کو غش سے
اودے تھے لبِ لعل سکینہ کے عطش سے

بھرتا تھا دمِ سرد پریشاں کوئی ہو کے   دامن سے ہوا دیتا تھا منہ کو کوئی دھو کے
بچتا تھا کوئی لُو سے ردا چہرے پہ رو کے   رکھ لیتا تھا سر پر کوئی رومال بھگو کے
پڑتی تھیں جو چھینٹیں تو مزا دیتا تھا پانی
جھک کر کوئی چلو ہی سے پی لیتا تھا پانی

غربت کی جفائیں یونہی سہتے ہوئے دن رات   طے راہِ خدا کرتے تھے شبیرِ خوش اوقات
ہو جاتی تھی جس مردِ مسافر سے ملاقات   گھوڑے کی عناں روک کے فرماتے تھے یہ بات
ٹھہرا نہیں سکتا کہ سرِ راہ ہے بھائی
کوفے کی خبر سے بھی کچھ آگاہ ہے بھائی

وہ کہتا تھا کوفے میں عجب غدر ہے مولا | ہر سمت ہیں قبضے تو فساد اٹھتے ہیں ہر جا
دَور اُن کا ہے کچھ جن کو مروّت نہیں اصلا | ہوتے ہیں ستم کوئی کسی کی نہیں سنتا
بے جرم ستاتے ہیں محبانِ علیؑ کو
غل ہے کہ چھپائے نہ کوئی گھر میں کسی کو

اطراف سے فوجیں چلی آتی ہیں برابر | ثابت نہیں ہوتا کہ چڑھائی ہے یہ کس پر
باغات میں کوفے کے پڑے ہیں کئی لشکر | ناکے سے نکلنے نہیں پاتا کوئی باہر
تیغیں بھی چمکتی ہیں سنانیں بھی تبر بھی
رُخ ایک رسالے کا تو دیکھا ہے ادھر بھی

جوں جوں یہ بیاں کرتا تھا وہ مردِ مسافر | خاموش کھڑے سنتے تھے سب یاور و ناصر
منہ بھائی کا تکتے تھے شہِ صابر و شاکر | وہ عرض یہ کرتے تھے کہ سب حال ہے ظاہر
کچھ شبہ نہ ہے اس میں نہ تشکیک ہے مولا
جو کہتا ہے رہرو وہ خبر ٹھیک ہے مولا

بھر کر نفسِ سرد بڑھے شاہِ فلک جاہ | جلتا تھا جگر قلب پہ تھا صدمۂ جانکاہ
مشہور یہ ہے عمرِ سفر ہوتی ہے کوتاہ | پر کٹتی تھی حضرت پہ عجب رنج سے وہ راہ
منزل پہ بھی کچھ نوش نہ فرماتے تھے شبیرؑ
تشویش تھی ایسی کہ گھُلے جاتے تھے شبیرؑ

دم بھر کہیں دم لے لیا جب دوپہر آئی | راہی ہوئے پھر دھوپ جو بالائے سر آئی
لیکن کہیں راحت کی نہ صورت نظر آئی | جب آئی خبر راہ میں وحشت اثر آئی
مشتاق تھے جس کے خبر آئی کہ موا وہ
جس دوست کو پوچھا یہ سنا قتل ہوا وہ

جنگل کی مصیبت وہ سواری کی تکانیں
آ پہنچی تھیں ہونٹوں پہ نبی زادوں کی جانیں
سنولائے ہوئے دھوپ میں منہ خشک زبانیں
اللہ کے جو نور ہیں یوں خاک وہ چھانیں
ہاں کون سی ایذا ہے جو درپے نہیں ہوتی
ہے خارِ الم راہِ خدا طے نہیں ہوتی!

جب منزلِ حاجز سے بڑھے سبطِ پیمبر
آئی یہ مفصل خبرِ مسلمِ بے پر
دنیا سے گیا آٹھویں تاریخ وہ صفدر
فرزند مصیبت میں ہوئے ظلم سے بے سر
ماتم ہے کئی دن سے مسلمانوں کے گھر میں
خندق میں تو لاش اسکی ہے سر قلعہ کے در میں

رنگ اُڑ گیا رخساروں سے تھرانے لگے شاہ
اشک آنکھوں سے برسا کے کہا یرحمہ اللہ
آفت کا سفر اور یہ ماتم کی خبر آہ
برپا ہوئے خیمے وہیں اُترے شہِ ذیجاہ
لشکر پہ اداسی تھی غریب الغربا کے
سب روتے تھے رونے پہ امامِ دوسرا کے

فرماتے تھے شبیر مسافر مرا بھائی
مقتولِ جفا صابر و شاکر مرا بھائی
ہے ہے مرا یاور مرا ناصر مرا بھائی
اُلفت میں مری مر گیا آخر مرا بھائی
جب سے گئے آرام بلا شک نہیں پایا
قربان برادر کفن اب تک نہیں پایا

اللہ ری مسلم کے جگربندوں کی زاری
ہوش آیا کئی بار غش آیا کئی باری
چلاتے تھے ہے ہے اجل آئی نہ ہماری
کوفے سے گئی خلد کو بابا کی سواری
بھڑکی ہے وہ آتش جو جلاتی ہے جگر کو
دو بھائیوں کو روئیں کہ مظلوم پدر کو

اس قافلہ میں رونے کا اک شور ہوا جب — گھبرا گئے ناموسِ رسولِ عربی سب
غل پڑ گیا پردیسیوں کی خیر ہو یارب — دوڑی گئی سر کھولے درِ خیمہ پہ زینبؑ

چلاتی تھی کیوں حشر یہ برپا ہوا لوگو
کس کی خبر آئی ہے ارے کیا ہوا لوگو

اصغر کو لیے کہتی تھی بانوئے دل افگار — میرا تو جگر منہ کو چلا آتا ہے ہر بار
اے بی بیو صغرا کو میں چھوڑ آئی ہوں بیمار — یہ کیا ہے جو روتے ہیں تڑپ کر خیمۂ ابرار

ہر دل پہ جو اک غم کی گھٹا چھائی ہے لوگو
کیا کچھ مری بچی کی خبر آئی ہے لوگو

زینبؑ کے قریں زوجۂ مسلمؑ تھی کھلے سر — کہتی تھی غضب ہو گیا اے شاہ کی خواہر
چلتی ہے چھری آٹھویں تاریخ سے مجھ پر — میں رانڈ ہوئی لٹ گیا کوفے میں مرا گھر

دو بچوں کے دنیا سے گزرنے کی خبر ہے
یہ ایلچیٔ شاہ کے مرنے کی خبر ہے!

یہ غل تھا کہ حضرت نے کہا خیمے میں آ کر — اے بیبیو بیٹھو صفِ ماتم کو بچھا کر
مسلم سوئے فردوس گئے برچھیاں کھا کر — مارا ستم ایجادوں نے تنہا انھیں پا کر

کوفے میں سرِ پاک اتارا گیا تن سے
روزِ عرفہ کوچ کیا دارِ محن سے

جس وقت یہ خیمے میں غضب کی خبر آئی — ناموسِ محمدؐ میں قیامت نظر آئی
خود سر سے کسی رانڈ کے چادر اتر آئی — واں کوئی گئی پیٹتی کوئی ادھر آئی

کیا درد کی باتیں تھیں غریبوں کی زباں پر
سب پیٹتے تھے دخترِ مسلمؑ کے بیاں پر

وہ بَین نبی زادیوں کے اور وہ ماتم — مقتول کی بیوہ کو غش آجاتا تھا ہر دم
پردیس میں وہ تازہ مصیبت وہ نیا غم — ماتم میں رہے تین دن اس جا شہِ عالم
فرصت نہ ملی نالہ و فریاد و فغاں سے
بھائی کا سوم کر کے روانہ ہوئے واں سے

مسلم کی خبر سے یہ ہوا خوف دلوں پر — چھُپ چھپ کے اُسی شب کو روانہ ہوئے اکثر
یا تھے کہیں خیمے کہیں پالیں کہیں بستر — یا تین پہر رات میں خالی ہوا لشکر
تا شام تو سب یاورِ سلطانِ زمن تھے
ظاہر جو ہوئی صبح تو ہفتاد و دو تن تھے

اکھڑے جو وہاں سے بھی خیامِ شہِ عالمؑ — خدام سے ارشاد کیا آپ نے اس دم
بچوں کی ہمیں فکر ہے اپنا نہیں کچھ غم — اس منزلِ پُر ہَول پہ پانی ہے بہت کم
شربے ہیں جو سیراب انھیں اونٹوں پہ دھر لو
جو مشکیں پکھالیں ہیں وہ سب پانی سے بھر لو

یہ سُن کے ہر اک ظرف میں سقوں نے بھرا آب — راہی ہوا اس بن سے نبیؐ کا گُلِ شاداب
گرمی تھی بلا اس دن کہ کسی دل کو نہ تھی تاب — تھا شعلہ فشاں دشت میں خورشیدِ جہاں تاب
لُو چل رہی تھی رنگ بھی سنولائے ہوئے تھے
جنگل میں گلِ فاطمہ کُملائے ہوئے تھے

حضرت بھی چلے جاتے تھے افسردہ و دلگیر — جو ایک دلاور نے کہی گھوڑے پہ تکبیر
اس شخص سے فرمانے لگے حضرتِ شبیر — بتلا سبب اس ذکر کا اے صاحبِ توقیر
کی عرض قریب آ کے شہِ عرش نشیں کے
وہ نخل نظر آتے ہیں کوفے کی زمیں کے

اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ اے دلبرِ زہراؑ — خیمے کے یہاں نخل تو دیکھے نہیں اصلا
عباسِ علمدارؑ نے جب غور سے دیکھا — کی عرض شہِ دیں سے کہ فوج آئی ہے مولا

کیا جانیے انبوہ ہے یا چند نفس ہیں
نوکیں یہ سنانوں کی ہیں یا گوشِ فرس ہیں

شبیرؑ نے فرمایا کہ سچ کہتے ہو بھائی — یہ فوج ہمارے لیے کوفے سے ہے آئی
ماتم میں کئی روز سے راحت نہیں پائی — کیا دُور ہے گر ہو اسی جنگل میں لڑائی

سرکش ہیں ارادہ نہ کریں بے ادبی کا
خیمہ کہیں برپا کرو ناموسِ نبیؐ کا

یہ کہہ کے بڑھے دہنی طرف سبطِ پیمبرؐ — برپا کیا نزدیک جبل خیمۂ اطہر
پہنچے تھے حرم خیموں میں ناقوں سے اتر کر — جو آ گیا نزدیک ستمگار کا لشکر

سر تا قدم آہن میں ستمگار نہاں تھے
سب ایک ہزار ان میں زرہ پوش جواں تھے

آنے لگے حضرت کی طرف جب وہ جفاکار — عباسؑ نے فرمایا کہ بڑھیو نہ خبردار
برپا ہے یہاں خیمۂ شاہنشہِ ابرار — آئینِ ادب سے تمھیں بہرہ نہیں زنہار

کچھ عرض جو کرنی ہو تو کر لیجو ٹھہر کر
سردار جو آئے بھی تو گھوڑے سے اُتر کر

بے خوف چلے آتے ہو باگوں کو اٹھائے — کیا ہو جو ادھر سے بھی کوئی آنکھ دکھائے
پیغام ہو کچھ یا ہو عریضہ کوئی لائے — تم سب میں جو فہمیدہ و عاقل ہو وہ آئے

گر بے ادب آؤ گے تو جانا نہ ملے گا
ہتھیار بھی باندھے ہوئے آنا نہ ملے گا

نہ عرض نہ معروض نہ تسلیم نہ پیغام　　ٹھہرو دہیں بس بد ہے اس آغاز کا انجام
کیا فوج یہاں کوفے کی اور کیا سپہ شام　　گیتی کو الٹ دیں جو بڑھیں قول کے صمصام
جنگل میں وہ اُترا ہے جو مختارِ زمیں ہے
شیروں کا یہ بیشہ ہے خبر تم کو نہیں ہے

جنگل میں جو گونجا اسدِ بیشۂ حیدرؑ　　دل ہلنے لگے سینوں میں سب تھم گئے خود سر
کس پیار سے شبیرؑ پکارے کہ برادر　　پوچھو تو ذرا کون ہے سر کردۂ لشکر
آتے ہیں ملاقات کو یا قصدِ وغا ہے
مجھ پہ بھی تو ظاہر ہو کہ منظور انھیں کیا ہے

یہ سُن کے پکارا اسد اللہ کا ضرغام　　تم لوگوں میں سردار ہے کون اے سپہِ شام
خود جوڑ کے ہاتھوں کو یہ بولا وہ خوش انجام　　سردار ہوں اس فوج کا میں حُرؔ ہے مرا نام
دعوائے غلامی ہے مجھے آلِ نبیؐ سے
اب عفو ہو مجوب ہوں اس بے ادبی سے

حاکم کا یہ جنگی ہے رسالہ مرے ہمراہ　　لے داب سے واقف نہ ہے آداب سے آگاہ
بس غیظ نہ فرمائیے بہرِ شہِ ذیجاہ　　اب غیر اجازت نہ بڑھے گا کوئی واللہ
ہے عفو و ترحّم کا رواج آپ کے گھر سے
تقصیر بھی ہو جاتی ہے دنیا میں بشر سے

جب حُرؔ نے بصد ادب یہ تقریر سنائی　　شہ بولے مرے سر کی قسم آنے دو بھائی
جس وقت اجازت حُرِ دیندار نے پائی　　خود بھی باادب آگے بڑھا فوج بھی آئی
دیکھا جو شہنشاہ کے اقبال و حشم کو
مجرا کیا صف باندھ کے سلطانِ امم کو

منہ دیکھ کے فرمانے لگے شاہِ خوش اقبال
کیا وجہ جو تم لوگ ہو سب مضطرب الحال
تب عرض یہ کی حُرّ نے کہ اے فاطمہؑ کے لال
بیتاب ہیں سب ماہی بے آب کی تمثال
آہوں کا دھواں اٹھتا ہے پیاسوں کے جگر سے
قطرہ نہیں پانی کا ملا تین پہر سے

یہ سنتے ہی بیتاب ہوئے سبطِ پیمبر
دیکھا رخِ عباسؑ کو اشک آنکھوں میں بھر کر
فرمایا کہ یہ لوگ ہیں سب پیاس سے مضطر
جو ساتھ ہے پانی ابھی منگواؤ برادر
بھیّا کمر اب کھولو پیاس ان کی بجھا کے
میں کانپ رہا ہوں کہ یہ بندے ہیں خدا کے

عباس نے کی عرض کہ اے کُل کے مددگار
کیا طاقت و قدرت جو کروں حکم میں تکرار
پر مصلحتاً عرض یہ کرتا ہے نمک خوار
اطفال ہیں ساتھ آپ کے یا سیدِ ابرار
مولا کوئی فرسخ ابھی جانا ہے یہاں سے
مانگیں گے وہ پانی تو پھر آئے گا کہاں سے

فرمایا مرے سر کی قسم کچھ نہ کہو اب
میری یہی مرضی ہے کہ سیراب ہوں یہ سب
انسان کا انساں سے روا ہوتا ہے مطلب
مر جائیں مسلماں یہ گوارا ہے مجھے کب
میں مالکِ کوثر ہوں تردد تمہیں کیا ہے
پیاس ان کی بجھا دو مرے بچوں کا خدا ہے

یہ سنتے ہی دوڑے شہِ والا کے ہوا خواہ
مجمع ہوا سرکار کے سقوں کا سرِ راہ
اک جام بھرے دستِ مبارک میں بڑھے شاہ
جلد آ کے پکھالیں لیے عباسؑ فلک جاہ
کی جب کہ نظر لطفِ شہِ جنّ و بشر پر
خود رکھ لیا مشکیزہ بہشتی نے کمر پر

پیاسا نہ رہا جب کوئی راکب کوئی رہوار | تب حُر سے یہ فرمانے لگے سیدِ ابرار
اب اپنے ادھر آنے کا احوال کر اظہار | کیا قصد ہے کیا عزم ہے اے میرے وفادار
نامہ کوئی حاکم کا جو لایا ہو تو کہہ دے
لڑنے کے ارادے پہ جو آیا ہو تو کہہ دے

تب حُر نے یہ کی عرض کہ اے خالقہ داور | بھیجا ہے مجھے حاکمِ کوفہ نے یہ کہہ کر
رستے میں جہاں تجھ کو ملیں سبطِ پیمبر | تو ساتھ سے اُنکے نہ جدا ہوجیو دم بھر
یثرب تو کجا سوئے نجف جانے نہ دینا
کوفے کے سوا اور طرف جانے نہ دینا

حضرت نے کہا پھر تجھے کیا اس میں ہے منظور | کی عرض کہ حاکم کے میں ہوں حکم سے مجبور
بس سرخ ہوا غیظ سے شہ کا رخِ پُر نور | فرمایا کہ روکے مجھے یہ کس کا ہے مقدور
کیا ہوتا ہے دم بھر میں ذرا ٹوک تو ہم کو
لے ہم ابھی جاتے ہیں ذرا روک تو ہم کو

خط بھیج کے منت سے سماجت سے بلانا | جب آگئے تو یہ مکر یہ کید اور یہ بہانا
کیا سہل ہے اس فوج میں گھر کر مرا آجانا | تلوار جو پکڑوں تو الٹ جائے زمانا
رگ رگ میں مرے زور ہے خالق کے ولی کا
میں اور نہیں ہوں کوئی بیٹا ہوں علی کا

وہ کون ہے میں جانے نہ جانے کا ہوں مختار | کیا سمجھا ہے قیدی مجھے وہ ظالمِ غدار
جب تک کہ سلامت ہے یہ ہاتھ اور یہ تلوار | دینے کا نہیں تخت دلِ حیدرِ کرار
بیکس ہوں مسافر ہوں پریشان و حزیں ہوں
کچھ حاکمِ کوفہ کا گنہ گار نہیں ہوں

چپکے سے بنِ قین نے کی عرض یہ اُس دم — بہتر ہے کہ اس فوج سے لڑلیں ابھی ہم
انبوہ کچھ ایسا نہیں لشکر ہے بہت کم — پھر آئیں گی فوجیں ادھر اے قبلۂ عالم
یہ درپئے آزار ہیں راحت تو نہ دیجے
پانی تو دیا اب اُنھیں مہلت تو نہ دیجے

دانتوں میں زباں داب کے حضرت نے کہا "آہ" — ہم حجتِ حق ہیں ہمیں سبقت نہیں زیبا
تھوڑوں کو اگر قتل کیا ہم نے تو پھر کیا — جب آئیں گی فوجیں تو سمجھ لیں گے اچھا
بولیں گے نہ کچھ تن پہ اگر تیر پڑیں گے
ایسا ہی ستائے گی جو اُمت تو لڑیں گے

فرماکے یہ اس دشت میں ٹھہرے شہِ صفدر — اک تیر کے ٹپّے سے حُرؑ اترا مع لشکر
شب نصف گئی پر اُسے نیند آئی نہ دم بھر — سب سو رہے جس دم تو اٹھا حُرِ دلاور
بھرتا ہوا دم عشقِ امامِ ازلی کے
داخل ہوا لشکر میں حسینؑ ابنِ علیؑ کے

سوتے تھے ادھر بھی شہِ مظلوم کے انصار — پر جاگتے تھے حضرتِ عباسؑ خوش اطوار
پھرتے تھے کبھی گردِ خیامِ شہِ ابرار — ڈیوڑھی پہ کبھی آتے تھے باندھے ہوئے ہتھیار
یوں رات بسر ہوتی تھی اس عاشقِ رب کو
جس طرح سے جنگل میں اسد پھرتا ہے شب کو

نعرہ کیا ابنِ اسد اللہ نے بڑھ کر — کون آتا ہے بتلا نہیں موت آتی ہے سر پر
تھرّا کے بڑھا ہاتھوں کو جوڑے وہ دلاور — کی عرض کہ میں حُرؑ ہوں غلامِ شہِ صفدر
کر دیجے خبر ابنِ شہنشاہِ عربؐ کو
کچھ عرض ضروری ہے کہ میں آیا ہوں شب کو

فرمایا کہ آنے کا ہے یہ کون سا ہنگام　　آرام میں ہے فاطمہ زہراؑ کا دل آرام
کی عرض کہ یا حضرتِ عباسؑ خوش انجام　　لے دیجیے جا کر درِ دولت پہ مرا نام
قسمت میں اگر ہے تو شرف پائے گا خادم
حضرت نہ بلائیں گے چلا جائے گا خادم

عباسؑ اسے ساتھ لیے ڈیوڑھی پہ آئے　　خیمے میں گئے اور سخن لب پہ یہ لائے
حرؑ آتا ہے اے حیدرِ کرار کے جائے　　ارشاد اگر ہو تو رضا آنے کی پائے
فرمایا کہ بے مکر و شر آتا ہے بُلا لو
گمراہ تھا اب راہ پہ آتا ہے بُلا لو

خود آ کے اُسے لے گئے عباسؑ دلاور　　مجرا کیا حُرؑ نے سرِ تسلیم جھکا کر
آنکھوں سے لگائے قدمِ سبطِ پیمبر　　کی عرض کہ بیتاب ہوں اے خاصۂ داور
فوجیں لیے تا ماریہ شمر و عمر آئے
کیوں اپنا وطن چھوڑ کے حضرت ادھر آئے

ہوتی ہے معینوں سے وہاں قتل کی تدبیر　　تلواریں ہیں یا برچھیاں ہیں یا تبر و تیر
ہر وقت چلی جاتی ہے تحریر پہ تحریر　　شہروں سے ہے فوجوں کی طلب یا شہِ دلگیر
بدکار ہیں لاکھوں اگر اک نیک ہے مولا
فوجوں کے سبب کوفہ و شام ایک ہے مولا

اترے ہیں پہاڑوں میں قشون عرب و روم　　ہے چار طرف قتلِ بنی فاطمہؑ کی دھوم
راہیں بھی ہیں سب بند مجھے خوب ہے معلوم　　سرکردۂ افواجِ ستم ہے عمرِ شوم
ایسا نہ ہو جلادوں میں گھر جائیے مولا
میں پاؤں پہ سر رکھتا ہوں پھر جائیے مولا

سب سوتا ہے لشکر بھی مرا یا شہِ ابرار　　بہتر ہے اسی وقت اگر ہو جیے اسوار
فرمایا کدھر جاؤں میں لے حرِ وفادار　　جو ہوئے سو ہو اب تو ہوں آفت میں گرفتار
منظور جسے ہو مرا سر کاٹ لے تن سے
مرنے کے ارادے پہ تو آیا ہوں وطن سے

تقدیر سے کچھ زور نہ کچھ موت سے چارا　　مرنا ہے جو غربت میں تو کیا زور ہمارا
کی عرض یہ حر نے کہ بجا ہے یہ اشارا　　مولا مگر آفت سے مناسب ہے کنارا
گو فوج نہ تھوڑی ہے نہ غمخوار ہی کم ہیں
میں اس لیے کہتا ہوں کہ ساتھ اہلِ حرم ہیں

کچھ سوچ کے فرمانے لگے سبطِ پیمبر　　اے دوست یہی رائے تری ہے تو ہے بہتر
جائیں گے جدھر ساتھ اجل ہوگی مقرر　　دیکھیں یہ شبِ تار بسر ہوتی ہے کیونکر
کس کو خبر اس کی ہے کہاں قبر بنے گی
پر ہوگی وہیں صبح جہاں قبر بنے گی

روتا ہوا رخصت ہوا شہ سے حرِ دیندار　　راہی ہوئے عجلت میں وہاں سے شہِ ابرار
وہ دشت پر آشوب کی وحشت وہ شبِ تار　　بیشے کہیں بن ہیں کہیں پتھر تو کہیں خار
صورت نہ بشر کی نظر آتی تھی بشر کو
معلوم نہ ہوتا تھا کہ جاتے ہیں کدھر کو

حیران و پریشاں تھا وہ سب لشکرِ شاہی　　اسواروں پہ آفت تھی تو پیادوں پہ تباہی
ملتی تھی نہ بستی نظر آتا تھا نہ راہی　　گویا شبِ ظلمات تھی جنگل کی سیاہی
گھڑیاں شہِ ذیجاہ پہ یوں راہ میں گزریں
جس طرح کہ یوسف پہ شبیں چاہ میں گزریں

یوں دشت میں پھرتے تھے وہ اللہ کے پیارے   جسطرح کریں سیر شبِ تار میں تارے
ماندے ہوئے راہوار بھی سب اونٹ بھی سارے   سادات نے وہ دوپہر آفت میں گزارے
گردش میں کٹی رات ولی ابن ولی کی
مقتل میں ہوئی صبح حسینؑ ابن علیؑ کی

لکھا ہے فرس آپ نے بدلے کئی اکبار   اس دشت میں لیکن نہ بڑھا ایک بھی راہوار
گھبرا کے یہ کہنے لگے عباس علمدارؑ   یہ تو فرسِ خاص ہے یا سیدِ ابرار
اُڑتے اسے دیکھا ہے پہ چلتے نہیں دیکھا
سو کوس کے دھاوے میں بھی تھمتے نہیں دیکھا

اس ہاتھ سے شہ نے لیا اس ہاتھ میں کوڑا   غیرت سے عرق آگیا تھرّا گیا گھوڑا
منہ شہ کی طرف اسپِ وفادار نے موڑا   کی عرض کہ خود میں نے یہ رستہ نہیں چھوڑا
مانع ہے صدا حکمِ شہنشاہِ اُمم کو
ناچار ہوں مولا کوئی تھامے ہے قدم کو

یہ سنتے ہی رہوار سے اترے شہِ ابرار   فرمایا کہ بس کھول دو اونٹوں کے یہیں بار
طالب تھا یہیں کا پسرِ حیدرِ کرّارؑ   عباسؑ سے فرمایا کہ اترو مرے غمخوار
ہوئے گا مقام اب یہیں زہراؑ کے پسر کا
لو شکر کرو خاتمہ ہے آج سفر کا

کربلا میں تشریف آوری

جب طے کیا شہ نے سفرِ راہِ خدا کو — منزل پہ قضا لائی غریب الغربا کو
اک عید ہوئی عاشقِ ربِّ دوسرا کو — بس روک لو باگیں یہ پکارے رفقا کو
گردوں سے فزوں اوج ہے اس پاک زمیں کا
یاں سے نظر آتا ہے چمن خلدِ بریں کا

اے قافلہ والو یہ ٹھہرنے کی جگہ ہے — خیمے کرو برپا یہ اترنے کی جگہ ہے
دینداروں کے یہ سر سے گزرنے کی جگہ ہے — ہمت ہو خدا دے تو یہ مرنے کی جگہ ہے
ایسی نہ زمیں پھر تہِ افلاک ملے گی
یہ خاک وہ ہے جس میں ہری خاک ملے گی

اترے فرسِ خاص سے سبطِ شہِ لولاک — تھرائی زمیں زرد ہوئی اڑنے لگی خاک
آلودہ ہوا گرد سے حضرت کا رخِ پاک — رومال سے خدام لگے جھاڑنے پوشاک
غم چھا گیا نوبت نہ خوشی ہونے کی آئی
جنگل سے صدا فاطمہؑ کے رونے کی آئی

جھونکوں سے ہوا کے جو اٹھے پردۂ محمل — سینوں میں اچھلنے لگے سیدانیوں کے دل
زینبؑ نے کہا کیا متوحش ہے یہ منزل — آفات سے محفوظ رکھے خالقِ عادل
کچھ بادِ مخالف سے نہیں زور کسی کا
طوفاں میں نہ آجائے جہاز آلِ نبیؐ کا

اونٹوں سے نہ اترا تھا ابھی خیمۂ خرگاہ
صحرا سے ٹہلتے ہوئے دریا پہ گئے شاہ
تھے سارے عزیز و رفقا آپ کے ہمراہ
گرد اختر تابندہ تھے اور بیچ میں وہ ماہ
صحرا پہ کبھی گاہ ترائی پہ نظر تھی
بیٹے پہ کبھی اور کبھی بھائی پہ نظر تھی

اکبر تو یہ کہتے تھے کہ صحرا پہ ہے عالم
اپنی تو اسی سمت نظر پڑتی ہے ہر دم
فرماتے تھے عباسؑ ترائی بھی نہیں کم
خیمہ کہیں ہو آن کے سوئیں گے یہیں ہم
گرمی کے ہیں دن سرد ہوا بھاتی ہے اکثر
شیروں کو ترائی ہی میں نیند آتی ہے اکثر

ہوتی تھی چچا اور بھتیجے میں یہ تقریر
منہ دیکھتے تھے دونوں کا اور روتے تھے شبیر
رنگِ رخِ عباسِ علیؑ ہو گیا تغیر
پوچھا سببِ گریہ تو بولے شہِ دلگیر
دریا جو مرے سامنے لہراتا ہے بھائی
دل خود بخود اس وقت بھر آتا ہے بھائی

جاتے تھے لڑائی پہ جو صفین کے صفدر
ہے خوب مجھے یاد یہیں اترا تھا لشکر
مغموم تھے اس روز بہت فاتحِ خیبر
جبتک رہے آنسو نہ تھما آنکھ سے دم بھر
کھایا تھا نہ کھانا نہ ذرا سوئے تھے بابا
تا دیر کھڑے ہو کے یہیں روئے تھے بابا

تب میں نے یہ کی عرض کہ اے سرورِ ذیشاں
کیا وجہ ہے بیتابی کی کیوں آپ ہیں گریاں
لپٹا کے مجھے چھاتی سے بولے شہِ مرداں
اے احمدِ مرسلؐ کے پسر میں ترے قرباں
اک دن تو مرے بعد یہاں آئے گا شبیرؑ
عقدہ مرے رونے کا کھل جائے گا شبیرؑ

سب چھوٹے بڑے رونے لگے سُن کے یہ گفتار
ہمشکل پیمبر نے کہا یا شہِ ابرار
خیمہ ہو کہاں اترے کہاں دل سے کہاں بار
فرمانے لگا مصلحتِ شہ کا علمدار
کمسن کئی معصوم ہیں اور گرم ہوا ہے
برپا ہو لبِ نہر جو خیمہ تو بجا ہے

حضرت نے کہا یاں بھی خدا، واں بھی خدا ہے
صحرا کو بھی دریا کو بھی اک روز فنا ہے
ہر چند کہ تدبیر حفاظت کی بجا ہے
پر ہوگا وہی جو کہ مقدر میں لکھا ہے
دریا پہ اترنے کا سرانجام نہ کیجیے
جس بات میں تکرار ہو وہ کام نہ کیجیے

فرما کے یہ حضرت اسی صحرا میں پھر آئے
فراشوں نے جھاڑی وہ زمیں اونٹ بٹھائے
خیمے کیے استادہ سراچے بھی لگائے
اور ڈیوڑھی پہ ناموس کے جمازوں کم لائے
پاس آکے گٹا ٹوپ کو گھرواتے تھے عباسؑ
ہر بی بی کو محمل سے اتروانے تھے عباسؑ

جمازۂ زینبؑ جو قریں ڈیوڑھی کے پہنچا
کرسی سے اُٹھے آپ شہ یثرب و بطحا
گرد آ کے کیا قاسم و عباس نے پردا
محمل سے اترنے جو لگی دخترِ زہرا
اک ہاتھ علی اکبرِ ذی جاہ نے تھاما
اک ہاتھ جگر بندِ ید اللہ نے تھاما

چھاتی سے سکینہؑ کو لگائے ہوئے اتریں
شہزادی کو چادر میں چھپائے ہوئے اتریں
آنسو رُخِ انور سے بہائے ہوئے اتریں
پردا تھا مگر سر کو جھکائے ہوئے اتریں
آگاہ نہ تھیں اس ستمِ چرخِ کہن سے
کھل جائے گا سر ہاتھ بندھے ہوں گے رسن سے

داخل ہوئی خیمے میں جونہی دخترِ حیدرؑ پہنچے گئیں ناقوں سے کنیزیں بھی اُتر کر
جب کھل گیا پردا تو اُترنے لگا لشکر پالیں بھی کھڑی ہو گئیں اور لگ گئے بستر
گھوڑوں کو پیادوں نے اور اسواروں نے کھولا
دکانوں کو لشکر کے دکانداروں نے کھولا

گزرا جو وہ دن عالمِ غربت کی ہوئی شام اک بار اذاں دینے لگے اکبرِ گلفام
مصروفِ عبادت میں ہوئے شاہِ خوش انجام طاعت کے لیے جمع ہوا لشکرِ اسلام
جوں دانۂ تسبیح برابر وہ جواں سے تھے!
صف اک پیچھے تھی اور آگے امامِ دو جہاں تھے

فارغ جو فریضے سے ہوئے سیدِ ذیجاہ سجادۂ طاعت سے اُٹھے خیمہ کی لی راہ
پہنچے جو سراپردۂ عصمت کے قریں شاہ رخصت ہوئے آداب بجا لا کے ہوا خواہ
داخل ہوئے حضرت حرمِ شاہِ نجف میں
اختر تو رہے ماہ گیا برجِ شرف میں

مسند کو شہِ دیں کے منور کیا جا کر لینے لگی بھائی کی بلائیں بہن آ کر
جا بیٹھی سکینہ بھی قدم جلد بڑھا کر کہنے لگی منہ شاہ کی چھاتی سے لگا کر
کس کس سے بلانے کے لیے میں نے کہا تھا
بابا تمھیں کب سے مرا دل ڈھونڈ رہا تھا

زینب نے کہا شاہ سے باگریہ وزاری یہ کون سا صحرا ہے بہن ہو گئی واری
منہ ڈھانپ کے میں رو چکی ہوں یاں کئی باری گھبراتی تھی ڈر ڈر کے سکینہ مری پیاری
بانو کو بھی تشویش نے یاں گھیر لیا ہے
کچھ دودھ سے اصغر نے بھی منہ پھیر لیا ہے

زینبؑ سے کہا شاہ نے جو خواہشِ تقدیر — کچھ حکم سے اللہ کے باہر نہیں شبیرؑ
اس دشت کا کیا حال سناؤں تمہیں ہمشیر — کونین میں اس ارضِ مقدس کی ہے توقیر
گر عرش سے ملائک کے اُترنے کی یہ جا ہے
تم کو نہیں معلوم یہی کرب و بلا ہے

یہ سُن کے اڑا رنگ رُخِ زینبِ مضطر — منہ پیٹ لیا چوب سے ٹکرانے لگی سر
حضرت نے کہا خیر ہے کیا کرتی ہو خواہر — وہ بولی میں بے آس ہوئی ہائے مقدر
طفلی سے مجھے یاں کی مصیبت کی خبر ہے
اب مجھ پہ کھلا یہ وہی آفت کا سفر ہے

اس دشت میں تم مجھ سے بچھڑ جاؤ گے بھائی — گر خاک بھی چھانوں تو نہ ہاتھ آؤ گے بھائی
بھینا کو مدینے میں نہ پہنچاؤ گے بھائی — میں دیکھوں گی اور برچھیاں تم کھاؤ گے بھائی
اولاد سے بانو کی یہ چھٹنے کی جگہ ہے
ناموسِ نبیؐ کی یہی لُٹنے کی جگہ ہے

زینبؑ سے جو یہ ذکر سنا رونے لگے شاہ — ناموسِ محمدؐ پہ ہوا صدمۂ جانکاہ
باجوں کی صدا دشت سے آنے لگی ناگاہ — پہنچا یہ خبردار کو حکمِ شہِ ذی جاہ
ہاں جلد خبر لا کہ یہ لشکر کدھر آیا
اس سمت نشانوں کے ہیں رُخ یا اُدھر آیا

مانندِ نظر دوڑ گیا پیکِ صبا دم — پھر آیا وہ اور کہہ کے یہ مجرے کو ہوا خم
قائم رہے اقبالِ شہنشاہِ دو عالم — کوفے کی ہوئی فوج لبِ نہر فراہم
سب چار ہزار اُن میں زرہ پوش جواں ہیں
پیچھے تو صفیں فوج کی ہیں آگے نشاں ہیں

شہ نے کہا سر کردۂ لشکر کا ہے کیا نام کی عرض یہ اس نے عمر سعد بد انجام
سنکر یہ خبر بولے شہنشاہ ذوالاکرام صد شکر کہ آ پہنچا ہمیں موت کا پیغام
دشمن کو اگر رے کی حکومت کی خوشی ہے
موجود ہیں ہم کو بھی شہادت کی خوشی ہے

اکبرؑ نے کہا ہوتا تھا کیا فوج میں چرچا تھرا گیا اور سر کو وہ نہوڑا کے یہ بولا
شہزادۂ کونین جو کچھ آپ نے پوچھا ہو وے یہ زباں قطع اُسے عرض کروں کیا
کہتا تھا یہ لشکر عمر سعد شقی کا
سر لینے کو آئے ہیں حسینؑ ابن علیؑ کا

عباسؑ لگے کانپنے ہونٹوں کو چبا کر کی تیغ کے قبضہ پہ نظر غیظ میں آ کر
فرمایا کہ دیکھوں تو میں اس فوج میں جا کر روکا شہِ مظلومؑ نے چھاتی سے لگا کر
سونچے کہ نہ آداب میں شاہ کے خلل آئے
غصے سے یہ تھرائے کہ آنسو نکل آئے

اتنے میں صدا دور سے نقاروں کی آئی آواز جفاکاروں کے رہواروں کی آئی
شہ بولے کہ پھر فوج ستمگاروں کی آئی پھر ساتھ ہی جوڑی بھی خبرداروں کی آئی
کی عرض وہ لشکر کہ سیاہ جس کے علم ہیں
اک شمر لعیں ہے اور چار ہزار اہل ستم ہیں

اس فکر میں سوتے نہ ذرا سبطِ پیمبر صحرا میں رہی تا بسحر آمدِ لشکر
دن کو یہی خبریں چلی آتی تھیں برابر شیث آیا ہے اب ساتھ لیے فوجِ ستمگر
خود آگے ہے اور پیچھے کمانداروں کی صف ہے
ایک ایک کا رُخ فوجِ حسینی کی طرف ہے

یہ سنتے تھے جو دوسرا آ کر یہ پکارا — آپہنچا یزید ابن رکاب ستم آرا
عمّان شقاوت نے ہے اک جوش سا مارا — گھوڑوں سے رُکا جاتا ہے دریا کا کنارا
پانی بھی کوئی نہر سے پاتا نہیں اب تو
بجز تیغ و سناں کچھ نظر آتا نہیں اب تو

آئے دہل فتح بجاتے ہوئے باہم — حجاج و سناں ابن انس خولی و قشم
تھے چار ہزار اہلِ ستم اور بھی اظلم — انبوہ ہُوا تا ششم ماہِ محرّم
امڈی ہوئی بادل کی طرح فوج گراں تھی
مقتل کی زمیں گھوڑوں کی ٹاپوں سے نہاں تھی

اس فوج سقر موج کی تعداد ہے دشوار — لکھتا ہے کوئی بیس ہزار آئے تھے غدار
اور اس سے فزوں تر بھی ہے کچھ وارد اخبار — اکثر کا یہ ہے قول کہ تھے لاکھ ستمگار
لکھتے ہیں یہ بعضے کہ چھ لاکھ اہلِ جفا تھے
کیا بیکس و مظلوم امام دوسرا تھے

دو دن تو غریبوں کو ملا دشت میں آرام — تھی پانچویں تاریخ کہ آئی سپہ شام
ہفتم تلک اعدا سے رہا نامہ و پیغام — اور تھا شبِ ہشتم سے لڑائی کا سرانجام
پیاسا کوئی کرتا نہیں سادات سے پانی
حضرت پہ ہُوا بند اسی رات سے پانی

گرمی کے وہ دن اور وہ بچوں کا بلکنا — وہ تابشِ خورشید وہ ذرّوں کا چمکنا
پیاسوں کا وہ دریا کی طرف یاس سے تکنا — باقرؑ کی وہ فریاد وہ اصغرؑ کا سسکنا
خیمہ میں سکینہ کو جو غش آتے تھے شبیرؑ
روتے ہوئے گھبرا کے نکل آتے تھے شبیرؑ

تاریخِ نہم بھر گیا اعدا سے وہ جنگل　　ہر سمت سے فوجوں کے امڈ آئے تھے بادل
تلواریں نظر آتی تھیں یا برچھیوں کے پھل　　دنیا بھی غریبوں کی ہوا آنکھوں سے اوجھل
واں شام سے افواجِ ستم صبح تک آئی
لوگ اٹھ گئے لشکر سے یہاں یہ کمک آئی

تھے مستعدِ جنگ اُسی روز ستم گر　　روکے ہوئے تھے فوج کو عباسِ دلاور
تولے ہوئے تلوار یہ فرماتے تھے اکبر　　آگے جو بڑھا پاؤں تو ہو جائے گا بے سر
دیکھو کدھر آتے ہو یہ کیا بے ادبی ہے
یاں خیمۂ ناموسِ رسولِ عربیؐ ہے

خیمے میں گئے حضرتِ عباسؑ دلاور　　حضرت نے کہا شور یہ کیسا ہے برادر
کی عرض چڑھے آتے ہیں خیمے پہ ستمگر　　قبضے پہ ادھر ہاتھ دھرے ہیں علی اکبرؑ
خاموش ہیں سب حکمِ امامِ دو جہاں سے
ارشاد ابھی ہو تو ہٹا دوں انھیں یاں سے

آگے مرے بڑھ بڑھ کے نشاں فوج کے کھولے　　منہ پر کئی بار آ گئے تلواروں کو تولے
سینے میں لگی آگ پڑے دل میں پھپھولے　　آقا کے مگر خوف سے ہم کچھ نہیں بولے
نامرد شقی صاحبِ شمشیر ہوئے ہیں
روباہ طرح دینے سے کیا شیر ہوئے ہیں

شہ نے کہا سر دینے کا وعدہ جو نہ کرتا　　طاقت تھی کہ پھر ہاتھ کوئی قبضے پہ دھرتا
اک دم میں یہ میدانِ ستم لاشوں سے بھرتا　　ہاتھ ان کے نہ بڑھتے نہ قدم ان کا ٹھہرتا
تنگ آن کے آخر یہ پیاسا بھی لڑے گا
ان لوگوں پہ کھل جائے گا جب کھیت پڑیگا

تکرار نہ پھر ہو کہیں تم جاؤ برادر — اعدا کو بھی اکبرؑ کو بھی سمجھاؤ برادر
فرزندوں کو زینبؑ کے تو لے آؤ برادر — وہ چاند سی شکلیں مجھے دکھلاؤ برادر
کہنا کہ چلو اشکوں سے منہ دھوتے ہیں شبیرؑ
تم خیمے سے کیوں نکلے خفا ہوتے ہیں شبیرؑ

فوجِ ستم آرا کو یہ دیجیو مرا پیغام — لڑ کل سے ہے تکرار کہ مجھ سے ہے تمھیں کام
غربت میں گھڑی بھر تو مجھے لینے دو آرام — اچھا نہیں بیکس کا ستانا سحر و شام
ہیہات حمیت ہوئی کیا قومِ عرب کی
مہماں ہوں مہلت دو مجھے آج کی شب کی

یہ سُن کے گیا شیر قریبِ صفِ کفّار — فرمایا کہ اے قومِ جفا کار و ستم گار
واجب ہے ادب جنگ میں بہتر نہیں اصرار — شبیرؑ ہیں اک رات کی مُہلت کے طلبگار
ہم جنگ کو موجود ہیں جلدی تمھیں کیا ہے
بس خیر وہ کل ہوگا جو منظورِ خدا ہے

لشکر سے یہ تب کہنے لگا شمرِ ستمگار — کہہ دو کہ نہیں ملنے کی مہلت تمھیں زنہار
جھنجھلا کے یہ بولے کئی اس فوج کے سردار — دیتے ہیں یہ جو کافر بھی ہو مہلت کا طلبگار
کچھ شرم نہیں تجھ کو یہ کیا بے ادبی ہے
شبیرؑ تو فرزندِ رسولِ عربیؐ ہے

دیکھا جو شقی نے کہ ہیں بگڑے ہوئے سردار — عباسؑ دلاور سے لگا کہنے جفا کار
دی رات کی مہلت جو ہیں مُہلت کے طلبگار — خیر آج کریں اور عبادت شہِ ابرار
پھر عذر کوئی پیش نہ جائے گا سحر کو
کل سب کے گلے کاٹ کے کھولیں گے کمر کو

عباسؑ دلاور نے کہا ہو کے غضبناک   تو کاٹے گا شیروں کے گلے او سگِ ناپاک
آگے مرے یہ بے ادبی منہ میں ترے خاک   بکیس ہوا ایسا پسرِ سیدِ لولاک
کیوں رکھ دوں لبِ نجس پہ انگشتِ سناں کو
دکھلا دوں مزا چھید کے نیزے سے زباں کو

بھاگا وہ پھرے ہونٹھ چباتے ہوئے عباسؑ   خیمے میں گئے ساتھ لیے سب کو لعیداں
کی عرض یہ جا کر پسرِ فاطمہؑ کے پاس   طے ہو گیا وہ امر کبھی جس کی نہ تھی آس
مہلت بھی ملی رُخ بھی پھرا اہلِ جفا کا
رو کر شہِ والا نے کہا شکر خدا کا

شبِ شہادت

جب زلف کو کھولے ہوئے لیلائے شب آئی
پردیس میں سادات پہ آفت عجب آئی
فریاد کناں روحِ امیرِ عرب آئی
غل تھا کہ شبِ قتلِ شہِ تشنہ لب آئی

سادات کو کیا کیا غمِ جانکاہ دکھائے
رات ایسی مصیبت کی نہ اللہ دکھائے

کاغذ پہ لکھے کیا قلم اُس شب کی سیاہی
تھی چار طرف جس کی سیاہی سے تباہی
مُرغانِ ہوا بر میں طپاں بحر میں ماہی
تربت سے نکل آئے تھے محبوبِ الٰہی

فریاد کا تھا شور رسولانِ سلف میں
یثرب میں تزلزل تھا اداسی تھی نجف میں

صدمے سے ہوا رنگ رخِ ماہ جو کا فور
اختر بھی بنے مردمکِ دیدۂ بے نور
غم چھا گیا راحت دلِ عالم سے ہوئی دور
تصویرِ الم بن گئی جنت میں ہر اک حور

کہتے تھے ملک رات نہ ہوئے گی اب ایسی
تاروں نے بھی دیکھی نہ تھی تاریک شب ایسی

تھا خانۂ غم خیمۂ شاہنشہِ والا
آندھی یہ پریشاں تھی کہ دل تھا تہ و بالا
مشعل نہ ٹھہرتی تھی نہ شمعوں کا اُجالا
خیمہ بھی اندھیرے میں نظر آتا تھا کالا

خاک اُڑتی تھی منہ پر حرمِ شیرِ خدا کے
تھا چھیں بجبیں فرش بھی جھونکوں سے ہوا کے

جنگل کی ہوا اور وہ غُل کی صدائیں   تھراتی تھیں بچوں کو چھپائے ہوئے مائیں
دھڑکا تھا کہ دہشت سے نہ جانیں کہیں جائیں   روتی تھی کوئی اور کوئی پڑھتی تھیں دعائیں
گودوں میں بھی راحت نہ ذرا پاتے تھے بچے
جب بولتے تھے شیر تو ڈر جاتے تھے بچے

بچوں کے بلکنے پہ حرم کرتے تھے زاری   غش ہو گئی تھی بالی سکینہؑ کئی باری
چلاتی تھی رو رو کے وہ شبیرؑ کی پیاری   یا حضرتِ عباسؑ چلی جان پیاری
افسوس کہ پانی کا تو قطرہ نہیں گھر میں
اور آگ لگی ہے مرے ننھے سے جگر میں

تھی سب سے سوا بنتِ علیؑ مضطر و بیتاب   فق ہو گیا تھا شام سے منہ صورتِ مہتاب
مژگاں سے رخِ پاک پہ تھی بارشِ خوناب   تلوار کلیجے پہ چلے جب تو کہاں تاب
اک کرب تھا بسمل کی طرح جانِ حزیں پر
اُٹھتی تھی کبھی اور کبھی گرتی تھی زمیں پر

تھے دوسرے خیمے میں ادھر سبطِ پیمبر   دربار میں حاضر تھے رفیقانِ دلاور
اک پہلو میں قاسمؑ تھے اور اک پہلو میں اکبرؑ   اکبرؑ کے اُدھر لختِ دلِ زینبِ مضطرؑ
شبیرؑ محبت سے سخن کرتے تھے سب سے
عباسِ علیؑ سامنے بیٹھے تھے ادب سے

سرگرم تھے مر جانے پہ سب شاہ کے انصار   عباسؑ سے یہ کہتا تھا وہ کُل کا مددگار
تم رہیو ذرا خیمۂ ناموس سے ہشیار   ڈر ہے نہ کرے بے ادبی لشکرِ کفار
بے دینوں کو راحت مری منظور نہیں ہے
شب خوں جو اُدھر سے ہو تو کچھ دور نہیں ہے

یہ ذکر ابھی تھا کہ یکایک خبر آئی
اے چاند ید اللہ کے شب دوپہر آئی
حضرت کو ستاروں کی جو گردش نظر آئی
دل یادِ خدا کرنے لگا چشم بھر آئی
فرمایا بڑا اجر ہے بیداریٔ شب کا
اے تشنہ لبو وقت ہے یہ طاعتِ رب کا

اب عمر بھی آخر ہے نمازیں بھی ہیں آخر
بے توشہ پہنچتا نہیں منزل پہ مسافر
ہر وقت ہے ربِ دوجہاں حاضر و ناظر
اجر اُن کا مضاعف ہے جو ہیں صابر و شاکر
مشکل نہ کسی رنج کو سمجھے نہ بلا کو!
بندہ وہی بندہ ہے جو بھولے نہ خدا کو

نام اس کا ہے ورد، سفر ہو کہ حضر ہو
موجود سمجھ لے اُسے جنگل ہو کہ گھر ہو
سجدے ہی کرے دکھ میں کہ راحت میں بسر ہو
تسبیح میں شب ہو تو نمازوں میں سحر ہو
عشق گلِ تر ظلم کے خاروں میں نہ بھولے
معشوق کو تلوار کی دھاروں میں نہ بھولے

چومے لبِ سوفار جو سینے پہ لگے تیر
دم عشق کا بھرتا رہے زیرِ دمِ شمشیر
زخموں کو یہ سمجھے کہ ملا گلشنِ توقیر
تکبیر کا نعرہ ہو زباں پر دمِ تکبیر
کٹنے میں رگوں کے نہ صدا آہ کی نکلے
ہر رنگ میں بُو اُلفتِ اللہ کی نکلے

شہ نے سخنِ معرفتِ حق جو سنائے
اشک آنکھوں میں ہر عاشقِ صادق کے بھر آئے
کچھ پیاس کا شکوہ بھی زباں پر نہیں لائے
سجادے وہیں لا کے دلیروں نے بچھائے
تکبیریں ہوئیں لشکرِ اللہ و نبی میں
سب محو ہوئے یادِ جنابِ احدی میں

کرتے تھے مناجات ادھر یاور و انصار　　پڑھتے تھے نمازِ شب اُدھر سیدِ ابرار
تھی نیتِ تسبیح بتولِ جگر افگار　　آوازِ بکا خیمے سے آنے لگی یکبار
اکبرؑ سے اشارہ کیا سرورؑ نے کہ یہ کیا ہے
کی عرض پھوپھی جان کے رونے کی صدا ہے

یوں تو کئی راتوں سے ہیں وہ مضطر و بیتاب　　راحت کی نہ صورت ہے نہ آرام کا اسباب
غش میں جو ذرا بند ہوئے دیدۂ پُر آب　　روتی ہوئی چونکی ہیں ابھی دیکھ کے کچھ خواب
نعلین کہیں چادرِ پُر نور کہیں ہے
اس وقت سے بسمل کی طرح چین نہیں ہے

اُن کا تو احوال ہے امّاں کا یہ عالم　　اشکوں کی جھڑی آنکھوں سے تھمتی نہیں اک دم
اصغرؑ کی بھی ہے فکر سکینہؑ کا بھی ہے غم　　بچہ چھ مہینے کا ہوا جاتا ہے بے دم
گودی میں اٹھائیں اسے یا اس کو سنبھالیں
دو روز کے فاقے میں وہ کس کس کو سنبھالیں

رو کر علی اکبرؑ نے جو کی شہ سے یہ تقریر　　پڑھتے ہوئے تسبیح گئے حضرتِ شبیرؑ
دیکھی جو نہ تھی دیر سے وہ چاند سی تصویر　　قدموں پہ محبت سے گری دوڑ کے ہمشیر
بیتاب جو پایا بہت اس تشنہ دہن کو
شبیرؑ نے لپٹا لیا چھاتی سے بہن کو

فرمایا بہن تم نے بنایا ہے یہ کیا حال　　نہ سر پہ قصابہ ہے نہ چادر ہے نہ رومال
ماتھا ہے بھرا خاک سے بکھرے ہوئے ہیں بال　　رو بیٹھو نہیں، جیتا ہے ابھی فاطمہؑ کا لال
دم تن سے مرا گھٹ کے نکل جائیگا زینبؑ
رو لیجیو جب رونے کا وقت آئیگا زینبؑ

زینبؑ نے کہا خوش ہوں جو میری بھی اجل آئے — بھائی تمہیں اللہ اس آفت سے بچائے
خالق مجھے عابد کی یتیمی نہ دکھائے — بھائی کی بلا لے کے بہن خلق سے جائے
وسواس طبیعت کو بہلنے نہیں دیتا
مجبور ہوں دل مجھ کو سنبھلنے نہیں دیتا

یہ ذکر ابھی تھا کہ سکینہ نے پکارا — سونا تو گیا آپ کے ہمراہ ہمارا
میں جاگتی ہوں اور جہاں سوتا ہے سارا — گردوں پہ چمکنے نہ لگے صبح کا تارا
نیند آئی ہے بیٹی کو سلا جائیے بابا
بس ہو چکیں باتیں اب ادھر آئیے بابا

حضرت نے کہا میں تری آواز کے قرباں — اللہ تم اب تک نہیں سوئی ہو مری جان
غربت میں کہاں راحت و آرام کا ساماں — بن باپ کے تم کو تو نہیں چین کسی آن
اچھی نہیں عادت یہ، نہ رو یا کرو بی بی
پہلو میں کبھی ماں کے بھی سویا کرو بی بی

کیا ہوئے جو ہم گھر میں کسی شب کو نہ آئیں — مجبور ہوں ایسے کہ تمہیں چھوڑ کے جائیں
تم پاؤ نہ ہم کو نہ تمہیں ہم کبھی پائیں — بی بی کہو پھر چھاتی پہ کس طرح سلائیں
جنگل میں بہت قافلے لٹ جاتے ہیں بی بی
برسوں جو رہے ساتھ وہ چھٹ جاتے ہیں بی بی

جب عمر تھی کم ہم بھی چھٹے تھے یونہی ماں سے — سوتے تھے لپٹ کر یونہی خاتونِ جناں سے
کوچ ان کا ہوا سامنے آنکھوں کے جہاں سے — ماتم سے ملیں وہ نہ بکا سے نہ فغاں سے
یہ داغ یہ اندوہ و الم سب کے لیے ہیں
ماں باپ زمانے میں سدا کس کے جیے ہیں

دستِ وہ اجل کا ہے جو ہوتا ہی نہیں بند　　کوچ آج پدر کا ہے تو کل جائے گا فرزند
ہوتا ہے قلق فرقتِ اولاد میں ہر چند　　کیا زور ہے بندے کا جو مرضی ہو خداوند
جو آئے ہیں دنیا میں وہ سب کوچ کریں گے
اس زیست کا انجام یہی ہے کہ مریں گے

یہ کہتے تھے حضرت کہ صدا آئی اذاں کی　　گلدستۂ اسلام پہ بلبل نے فغاں کی
اک دم میں بہار اور ہوئی باغِ جہاں کی　　تلوار چلی گلشنِ انجم پہ خزاں کی
مہتاب ہوا گم فلکِ نیلو فری سے
پھولا گلِ خورشید نسیمِ سحری سے

صبحِ شہادت

پھاڑا جو گریباں شبِ آفت کی سحر نے
پردے میں چھپایا رخِ روشن کو قمر نے
پیمانۂ خورشید لگا نور سے بھرنے
گردوں سے سفر فوجِ کواکب لگی کرنے
تاباں جو رخِ نیّرِ افلاک ہوا تھا
قدموں سے درخشاں ورقِ خاک ہوا تھا

اظہار ہوئی خطِ شعاعی کی جو تحریر
روئے شبِ یلدا سے سیاہی ہوئی تغییر
خورشید نے کی سورۂ والشمس کی تفسیر
والفجر کی کرتا تھا تلاوت فلکِ پیر
پھیلا ہوا تھا نورِ سحر ارض و سما میں
مصروف تھی سب خلق خدا یادِ خدا میں

خورشید کا وہ نورِ سحر کا وہ سپیدا
شرحِ جعل الشمس ضیاءً تھی ہویدا
اشجار پہ نغمے زمزمۂ بلبلِ شیدا
سرخی وہ شفق کی افقِ چرخ سے پیدا
لرزہ جو تنِ خسروِ خاور میں مگر تھا
سو مہرِ امامت پہ زوال آنے کا ڈر تھا

چمکا صفتِ شعلہ جو وہ مہرِ جہاں تاب
شبنم کی طرح سیم کواکب ہوئی بے آب
مائل بہ سپیدی ہوا رنگِ رخِ مہتاب
اور دیدۂ مردم سے سفر کرنے لگا خواب
طاقت نہ رہی شمع میں سوزِ جگری کی
پروانوں سے رخصت تھی چراغِ سحری کی

وہ سرد ہوا صبح کی وہ نور کا عالم | اور زمزمے مرغانِ خوش الحان کے وہ باہم
وہ سبزۂ صحرا پہ پڑے گوہرِ شبنم | اور صبح کی نوبت کی صدا آتی وہ ہردم
نالے کی جو شہنا میں صدا تھی وہ بجا تھی
وہ نوبتِ قتلِ پسرِ شیرِ خدا تھی

ہر شے سے عیاں تھا غمِ سبطِ شہِ لولاک | سر زانوئے غم پر تھے جھکائے ہوئے افلاک
اندوہِ ماتم کی اڑاتی تھی زمیں خاک | دریا کا بھی موجوں سے سراسر تھا جگر چاک
آوارہ پرندے تھے مکاں خالی پڑے تھے
چوپائے چراگاہ سے منہ پھیرے کھڑے تھے

پہنچی جو گلستاں میں صبا خاک اڑاتی | غنچوں کے دھڑکنے لگے دل شق ہوئی چھاتی
تھی بلبلِ خوش نغمہ گلوں کو یہ سناتی | گلزارِ محمدؐ پہ خزاں آج ہے آتی
باغی تبر و خنجرِ کیں لے کے چلے ہیں
کٹ جائیں گے وہ نخل جو پھولے پھلے ہیں

عالم میں تو آغاز ہوئی صبحِ غم انجام | ہونے لگی میداں میں صف آرا سپہ شام
آراستہ کرتا تھا ہر اک خود سر و خود کام | گرز و تبر و تیر و سناں خنجر و صمصام
تھے لاف زناں باندھے ہوئے تیغ و سپر کو
قتلِ شہِ مظلوم پہ کستے تھے کمر کو

آگے بڑھے آتے تھے سواروں کے رسالے | چمکاتے ہوئے تیغ ہلاتے ہوئے بھالے
آمادۂ جنگ ایک طرف برچھیاں ڈالے | اک سو قدر انداز کمانوں کو سنبھالے
تھے آگے پرے فوج کے ثابت قدموں کے
اڑتے تھے جواں موج پھریرے علموں کے

کہتا تھا کوئی دشمنِ دیں لات زنی سے — اکبرؑ کا جگر چھیدوں گا برچھی کی انی سے
لڑنا ہے مجھے آج امامِ مدنی سے — پیاسے نہیں بچنے کے مری صف شکنی سے
برباد کروں گا اسد اللہ کے گھر کو
تلوار سے کاٹوں گا محمدؐ کے جگر کو

تھے جمع ادھر بھی دو موالی پہ موالی — ماتھوں پہ نشاں سجدے کے چہروں پہ بحالی
دل صبر سے معمور شکم کھانے سے خالی — کیا حلم تھا کیا زہد تھا کیا ہمتِ عالی
ہوتے تھے فدا نام پہ فرزندِ نبیؐ کے
وہ عاشقِ صادق تھے حسینؑ ابنِ علیؑ کے

باندھے ہوئے عمامے سروں پر وہ خوش اطوار — تھے شاہ کے قدموں پہ فدا ہونے کو تیار
نورانی عباؤں کے تلے جنگ کے ہتھیار — رُخ غیرتِ خورشید جبیں مطلعِ انوار
فولاد کے سینے تھے تو شیروں کے جگر تھے
خود تیغ تھے اور سبطِ پیمبر کی سپر تھے

وہ عابد و زاہد تھے وہ تھے عارفِ کامل — منہ قبلۂ ایماں کی طرف سوئے خدا دل
تسبیح زباں سارے امامت کے فضائل — قرآن بھی تیغیں بھی گلوں میں تھیں حمائل
حق اُن کا طرفدار تھا وہ جانبِ حق تھے
سب مصحفِ ناطق کے صحیفے کے ورق تھے

قلب ان کے تھے آئینۂ ایماں کی طرح پاک — دل نور کے تن نور کے اور نور کی پوشاک
خوش باطن و آگاہ دل و صاحبِ ادراک — خاکِ پسرِ فاطمہؑ میں اُن کی ملی خاک
روشن ہے کہ فرزندِ نبیؐ نورِ خدا ہے
یہ خاک اُنھیں خاکیوں کی خاکِ شفا ہے

قانع تھے مجاہد تھے شجاعِ ازلی تھے | ہشیار تھے اور مستِ مئے حبِّ علیؑ تھے
پروانۂ شمعِ حرمِ لم یزلی تھے | حقا کہ ولی تھے وہ ولی تھے وہ ولی تھے

پیدا نہ کیے مالکِ تقدیر نے ایسے
دیکھے نہ جواں پھر فلکِ پیر نے ویسے

لشکر میں اُدھر مورچہ بندی کی ہوئی دھوم | یاں فرض ادا کرنے لگے عاشقِ قیوم
پیچھے تو جماعت تھی اور آگے شہِ مظلوم | صف بستہ ملائک ہیں یہی ہوتا تھا معلوم

سب ساجد و راکع تھے شہنشاہ کے ہمراہ
تاباں تھے بہتّر مہِ نَو ماہ کے ہمراہ

فارغ جو صلوٰۃِ سحری سے ہوئے دیندار | پوشاک پہننے کو اٹھے سیدِ ابرار
فرمانے لگے حضرتِ عباسِ علمدار | ہاں غازیو اب تم بھی سجو جنگ کے ہتھیار

قرباں تمھیں ہونا ہے محمدؐ کے پسر پر
کمر دل کو کسو گلشنِ جنت کے سفر پر

اس مژدہ کو سنتے ہی مسلح ہوئے غازی | اصطبل سے کسنے لگے جا اسپ کے تازی
خیر صفِ جنگاہ تھا ایک ایک نمازی | نعرے تھے کہ قرباں شہنشاہِ حجازی

ڈیوڑھی پہ شگفتہ تھا چمن خلدِ بریں کا
خیمے میں تلاطم تھا وداعِ شہِ دیں کا

جس دم درِ دولت پہ امامِ اُمم آیا | پیٹے یہ حرم گھر میں کہ ہونٹوں پہ دم آیا
تسلیم کو اسلام کا لشکر بہم آیا | کس صولت و اقبال و حشم سے علَم آیا

جاتی تھی چمکنے میں ضیا عرش تک اس کی
خورشید کو پنجے میں لیے تھی چمک اس کی

آپس میں یہ کہتے تھے رفیقانِ دلاور — دیکھیں یہ ہما سایہ فگن ہوتا ہے کس پر
اکبر کے تو ہے نام پہ سالاریِ لشکر — عباس کو دیں گے شہِ دیں منصبِ جعفر
اک عشق ہے اس شیر سے سلطانِ اُمم کو
بھائی کو کبھی دیکھتے ہیں گاہ علم کو

زینبؑ کے پسر مشورہ کرتے تھے یہ باہم — کیوں بھائی علم لینے کو ماموں سے کہیں ہم
تائیدِ خدا چاہیے گو عمر میں ہیں کم — عہدہ تو ہمارا ہے یہ آگاہ ہے عالم
واقف ہیں سبھی حیدر و جعفر کے شرف سے
حق پوچھو تو حقدار ہیں ہم دونوں طرف سے

دادا بھی علمدار تھے نانا بھی علمدار — ہم اپنے بزرگوں کے ہیں منصب کے طلبگار
کہتا تھا بڑا عرض کا موقع نہیں زنہار — ہیں بادشہِ کون و مکاں مالک و مختار
عہدہ تو بڑا یہ ہے کہ ماموں پہ فدا ہوں
چپکے رہو اماں نہ کہیں سن کے خفا ہوں

مطلب نہ علم سے نہ حشم سے ہمیں کچھ کام — مٹ جائیں نشاں بس یہی عہدہ ہے یہی نام
یہ سر ہے نثارِ قدمِ شاہِ خوش انجام — عزت رہے بھائی یہ دعا ہے سحر و شام
آقا جسے چاہیں علمِ فوج خدا دیں
خالق اجل ہی ہمیں مرنے کی رضا دیں

مدت تھی جو پردے کے قریں زینبِ دلگیر — سب اس نے مفصل جو سنی بچوں کی تقریر
نفرت سے یہ کہنے لگی وہ صاحبِ توقیر — دونوں کو اشارے سے بلایا کسی تدبیر
کچھ کہنا ہے شہ سے ابھی فرصت انھیں گر ہو
عباس نہ دیکھیں نہ شہِ دیں کو خبر ہو

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ خود آئے وہ نکوکار چھوٹے سے یہ فرمانے لگی زینبِ ناچار
کیا باتیں ابھی بھائی سے تھیں اے مرے دلدار اسوقت میں ہو کون سے منصب کے طلبگار
سمجھے نہ کہ مادر عقبِ پردہ کھڑی ہے
گھر لٹتا ہے میرا تمھیں منصب کی پڑی ہے

اللہ بڑا عزم کیا باندھ کے تلوار بچو تمھیں ایسا نہ سمجھتی تھی میں زنہار
دیکھو ابھی تم دونوں سے ہو جاؤنگی بیزار کچھ کہیو نہ ماموں سے خبردار، خبردار
کیا دخل تمھیں امر میں سلطانِ اُمم کے
دیکھوں گی نہ پھر منہ جو گئے پاس علم کے

دو روز سے بھائی پہ مرے ظلم و ستم ہے تم فکرِ علم میں ہو مجھے سخت الم ہے
چھوٹے سے میں قد سن بھی تمہارا ابھی کم ہے کھیل اس کو نہ سمجھو یہ محمدؐ کا علم ہے
ہرگز نہ ابھی کچھ شہِ ذیجاہ سے کہنا
کہنا بھی تو رخصت کے لیے شاہ سے کہنا

مانا کہ پہنچتا ہے تمہیں منصبِ جعفر آقا کی غلامی سے ہے عہدہ کوئی بہتر
چھوٹا مرا بھائی بھی ہے بیٹوں کے برابر عاشق کا تو عاشق ہے برادر کا برادر
بگڑوں گی گلہ گر کسی اسلوب کرو گے
عباسؑ سے کیا تم مجھے محجوب کرو گے

صدقے گئی سن لو کہ میں کہتی ہوں برابر تم پہلے فدا کیجیو مرشد کے قدم پر
میدان میں زخمی ہوئے گر قاسمؑ و اکبرؑ پھر تم مرے فرزند نہیں دونوں کی مادر
صاحب دل ہوا ناراض تو فرزند کہاں کے
کس کام کے وہ لال جو کام آئیں نہ ماں کے

اعدا کو مرے دودھ کی تاثیر دکھاؤ　　اجلالِ حسن شوکتِ شبیر دکھاؤ
جعفر کی طرح جوہرِ شمشیر دکھاؤ　　تن تن کے یداللہ کی تصویر دکھاؤ
خورشیدِ امامت سے قرابت کے قریں ہو
تم شیر ہو شیروں کے حسینوں کے حسیں ہو

جعفر سے نمودار کے دلبند ہو دلیرو　　حیدرؑ سے دلاور کے دلاور ہو دلیرو
جرار ہو کرار ہو صفدر ہو دلیرو　　ضرغام ہو ضیغم ہو غضنفر ہو دلیرو
تیروں سے جوانوں کے جگر توڑ کے آؤ
خیبر کی طرح کوفہ کا در توڑ کے آؤ

خندق کی لڑائی کی طرح جنگ کو جھیلو　　بچے اسداللہ کے ہو جان پہ کھیلو
تیغوں میں دھنسو چھاتیوں سے نیزوں کو ریلو　　کوفہ کو تہ تیغ کرو، شام کو لے لو
دو اور جلا آئینۂ تیغِ عرب کو
لو روم کو قبضہ میں تو قابو میں حلب کو

میلے نہ ہوں تیور یہ سپاہی کے ہنر ہیں　　جس کے ہیں بس اسکے ہیں جعفر ہیں یہ اطہر ہیں
گر عطر میں ڈوبے ہیں گرے خون میں تر ہیں　　صحبت میں مصاحب ہیں لڑائی میں سپر ہیں
وہ اور کسی سے نہ جھکیں گے نہ جھکے ہیں
غربت میں نہ فرق آئے کہ سر بیچ چکے ہیں

یہ سن کے جو نکلے وہ جری خیمے سے باہر　　کس پیار سے منہ دونوں کا تکنے لگے سرور
اکبر نے یہ کی عرض کہ اے سبطِ پیمبر　　تیار ہے سب قبلۂ کونین کا لشکر
جلدی ہے لڑائی کی ادھر فوجِ ستم کو
ارشاد دیجئے ہو تو بڑھے لے کے علم کو

شہ بولے کہ عباسؑ دلاور کو بلاؤ — پیارے مرے محبوب برادر کو بلاؤ
عاشق کو مددگار کو یاور کو بلاؤ — جلدی مرے حمزہ مرے جعفر کو بلاؤ
یہ اوج یہ رُتبہ یہ حشم اس کے لیے ہے
زیب اس سے علم کی ہے علَم اس کے لیے ہے

خوش ہو کے یہ عمو کو پکارے علی اکبرؑ — جلد آئیے یاد آپ کو فرماتے ہیں سرور
حاضر ہوا جوڑے ہوئے ہاتھوں کو وہ صفدر — ارشاد کیا شہ نے علَم بھائی کو دے کر
دیکھے اسے کاندھے پہ یہ ہے آپ کا عہدہ
لو بھائی مبارک ہو تمہیں باپ کا عُہدہ!

بوسہ دیا عباس دلاور نے علَم پر — تسلیم کی اور رکھ دیا سر شہ کے قدم پر
کی عرض کہ قرباں اس الطاف و کرم پر — سو سر ہوں تو صدقے ہیں شہنشاہِ اُمم پر
ادنیٰ جو ابھی تھا اسے اعلیٰ کیا مولیٰ
قطرے کو ترے فیض نے دریا کیا مولیٰ

کھولا جو پھریرے کو علمدار جری نے — لوٹے گل فردوس نسیم سحری نے
تاروں کو اتارا فلکِ نیلوفری نے — پرچم جو کھلا کھول دیے بال پری نے
عیسیٰ نے پکارا کہ نثار اس کی حشم کے
خورشید نے منہ رکھ دیا پنجہ پہ علَم کے

ترتیب صف فوج کا جس دم ہوا اعلام — باندھی علی اکبرؑ نے صفِ لشکرِ اسلام
ظاہر جو ہوئی شان جوانانِ گل اندام — کوفے کے نشاں جھک گئے کانپی سپہ شام
اللہ ری شوکت شرفا و نجباء کی
اسلام کا لشکر تھا کہ قدرت تھی خدا کی

ناگاہ جفا کیشوں کی جانب سے چلے تیر　　شہ کے رفقا ہو گئے سب دست بہ شمشیر
گھبرا کے بڑھے چند قدم حضرت شبیرؑ　　فرمایا کہ کیا ظلم ہے اے فرقۂ بے پیر
اللہ کرو پاس رسولِ عربیؐ کا
آخر میں نواسا ہوں تمہارے ہی نبیؐ کا

مہماں کو ستاتا ہے کوئی تیر بتادو　　سرزد ہوئی ہے کونسی تقصیر بتادو
کس امر پہ مجرم ہوا شبیرؑ بتادو　　شر رفع ہو ایسی کوئی تدبیر بتادو
روئے گی اگر بنتِ علیؑ عرش ہلے گا
بربادیٔ سادات سے کیا تم کو ملے گا

کھانے کا نہ خواہاں ہوں نہ پانی کا طلبگار　　کیا وجہ جو تم سب ہو مرے درپئے آزار
یہ کس پہ تعدّی جو بلا میں ہوں گرفتار　　حاجی بھی ہوں اور قبرِ نبیؐ کا بھی ہوں زوّار
ماتم ہے بپا آلِ رسولِ مدنیؐ میں
پانی کو ترستا ہوں غریب الوطنی میں

بچوں کے تڑپنے کو گوارا کیا میں نے　　اس گرمی میں دریا سے کنارا کیا میں نے
دکھ درد میں کیا کیا نہ گزارا کیا میں نے　　پھر اپنے نہ آرام کا چارا کیا میں نے
صابر ہوں نظر جانبِ دریا نہیں کرتا
دو روز کا پیاسا ہوں یہ شکوا نہیں کرتا

یہ سن کے پکارا عمرِ سعدِ جفاکار　　[illegible]
ہم حکم سے حاکم کے [illegible]　　[illegible]
جو دل سے [illegible]
[illegible]

حضرت نے کی خیر خوشی جس میں تمھاری — کچھ جنگ سے فرزند پیمبر نہیں ہاری
ہاں بیکس و بے پر تو ہوں اے فرقۂ ناری — پڑے گا مرے خوں کا عوض حضرت باری

اللہ نے چاہا تو کبھی شاد نہ ہوگے
بستی کو مری لوٹ کے آباد نہ ہوگے

شہادتِ حضرتِ حُرؑ

اعدا سے یہ کہہ کر جو پھرے سیدِ خوشخو
تھرا گئے مظلومیٔ حضرت پہ جفا جو
یوں تو نہ رہا دل پہ کسی شخص کا قابو
آنکھوں سے مگر حُر کے نکلنے لگے آنسو
منہ بھائی کا تکتا تھا کبھی گاہ پسر کا
بسمل کا جو عالم ہو وہ نقشہ تھا جگر کا

کانپا جو کئی بار وہ مولیٰ کا فدائی
ثابت ہوا بیٹے پہ کہ سردی سے تپ آئی
بڑھ کر کہا بھائی نے یہ کیا حال ہے بھائی
تب حُرِ جری نے اسے یہ بات سنائی
سید پہ جفا ہوتی ہے مرجانے کی جا ہے
یہ خوفِ جہنم سے بدن کانپ رہا ہے

شہزادہ کونین ہے وہ صاحبِ توقیر
بے جرم نبیؐ زادے کے در پے ہیں بے پیر
بیکس کے لیے تیز ہے تیغ و تبر و تیر
کس طرح بچاؤں کوئی بنتی نہیں تدبیر
دو روز سے خاصانِ خدا تشنہ گلو ہیں
مظلوم کی اک جان ہے اور لاکھ عدو ہیں

کیا شور تھی قسمت کہ ہوئی کس کی نمکخوار
اللہ کے محبوب کا دشمن ہے جو غدار
کچھ غم نہیں سر جائے کہ تاراج ہو گھر بار
حق جس کی طرف ہے میں اسی کا ہوں طلبگار
ہوں قول کا صادق جو کہا ہے وہ کروں گا
فرزندِ پیمبر کی رفاقت میں مروں گا

پھر و مرا دفتر میں شہیدوں کے لکھا ہے   بہکا ہوں مگر ابنِ علیؑ راہنما ہے
تم بھی جو نہ دو ساتھ تو پروا مجھے کیا ہے   ہر شخص کے اعمال جدا، قبر جدا ہے
سب جیتے ہی جی کے ہیں سوا آلِ نبیؐ کے
تربت میں کوئی کام نہ آئے گا کسی کے

بیٹے نے کہا آپ کو منظور ہے پھر کیا   بولا حُرِ دیندار کہ خوشنودیٔ زہرا
ساتھ اس کا میں دوں گا کہ جو ہے بیکس و تنہا   فرزندِ نبیؐ نورِ خدا سیدِ بطحا
یاں کفر ہے ایماں کی اُدھر جلوہ گری ہے
تھوڑوں کا جو دے ساتھ دغا میں وہ جری ہے

بیٹے نے کہا شاہ کی غلامی ہے سعادت   آنکھوں سے چلیں گے کہ یہ ہے عینِ عبادت
بھائی نے کہا کفر ہے حاکم کی اطاعت   کچھ ڈر نہیں بس آج سے کی ترکِ رفاقت
مظلوم سے دو روز کے پیاسے سے لڑیں گے
کیا خوب محمدؐ کے نواسے سے لڑیں گے

سو سر ہوں تو زہرا کے جگر بند پہ واریں   سو جیوں کو صدقے شہِ والا پہ اتاریں
سو بار جئیں مر کے تو جنت کو نہ ہاریں   دنیا کے لیے بندۂ مقبول کو ماریں
ہمراہیٔ غدار و بد افعال پہ لعنت
دیں کھو کے جو ہاتھ آئے تو اس مال پہ لعنت

عبدِ حُرِ غازی نے کہا تول کے شمشیر   گر لاکھ ہوں جانیں تو نثارِ سرِ شبیرؑ
دنیا میں نہ ہو گا عمرِ سعد سا بے پیر   کہیے تو کروں اس کے مٹا دینے کی تدبیر
حافظ ہے خدا زور سے تلوار کے چلیے
اس فوج میں چلیے تو اسے مار کے چلیے

حُر نے کہا احسنت مرے عبدِ وفادار
آزاد ہے دوزخ سے غلامِ شہِ ابرار
تعجیل مناسب نہیں اے صفدرِ جرّار
بے توبہ ابھی تو ترا آقا ہے گنہگار
پاک اپنے گناہوں سے جو ہو لیں تو لڑیں گے
پھر آگ بھی برسے گی تو ہم کود پڑیں گے

یہ کہہ کے گیا پاس عمر کے وہ دلاور
پوچھا ترا کیا قصد ہے اے مالکِ لشکر
بولا وہ لعیں دستِ نجس پیٹ کے منہ پر
منظور ہے تاراجیٔ گلزارِ پیمبر
کھودوں گا کمر لوٹ کے گھر سبطِ نبی کا
بچہ بھی نہ چھوڑوں گا حسینؑ ابنِ علیؑ کا

ہیں جمع پئے دعوتِ فرزندِ پیمبر
یہ تیر یہ نیزے یہ تبر اور یہ خنجر
بچ کر مرے ہاتھوں سے کہاں جائیں گے سرور
پنجے میں ہے شیروں کے یہ سادات کا لشکر
دوڑاؤں گا گھوڑے جسدِ شاہِ اُمم پر
چادر نہیں رہنے کی سرِ اہلِ حرم پر

تھرا کے کہا حُر نے کہ ڈر قہرِ خدا سے
بس بس کہیں بجلی نہ گرے تجھ پہ سما سے
باز آ ستم و ظلم و تعدّی و جفا سے
کیا وجہ عداوت کی غریب الغربا سے
شہزادوں سے لڑنے کہیں دیندار لڑے ہیں
سادات ہیں یہ ان کے حق امت پہ بڑے ہیں

بس زرد ہوا سُن کے یہ باتیں وہ سیہ رُو
بولا کہ مجھے کہتا ہے مردودِ خدا تو
میں خوب سمجھتا ہوں ہر اک بات کا پہلو
اللہ یہ ارادت یہ مدحِ شہِ خوش خو
جابر ہے یزید اس کا بھی کچھ خوف نہیں ہے
ہیں لوگ رسالے کے کہیں آپ کہیں ہے

حاکم ہو کہ ظالم ہو کسی سے ہمیں کیا کام
طالب ہیں کہ ہاتھ آئے زر و خلعت و انعام
مٹ جائے گا دفتر سے شجاعوں کے ترا نام
سکتے میں ہے سُن کر تری باتیں سپہ شام
فرقہ یہ پیادوں کا ہے آفت نہ بپا ہو
بلوہ ابھی لشکر میں جو ہو جائے تو کیا ہو

برسوں سے ہے تو شام کے حاکم کا نمکخوار
سرکار کا جو حکم مناسب نہیں تکرار
مانا کہ حسینؑ ابنِ علیؑ ہیں شہِ ابرار
آپڑتی ہے جب بات تو ہٹتے نہیں جرّار
جنگِ اُحد و بدر میں کیا کھیت پڑے ہیں
وہ کون تھے آخر جو پیمبر سے لڑے ہیں

حُر نے کہا اب مجھکو کسی کا نہیں کچھ دھیان
سیّد پہ مرا ہاتھ اُٹھے یہ نہیں امکان
زہراؑ کے جگر بند پہ صدقے ہے مری جان
گھر شام میں لُٹ جائے پہ ضائع نہ ہو ایمان
جنّت ہے مگر اُس کا جو غلامِ شہِ دیں ہے
لیتا ہوں وہ دولت کہ فنا جس کو نہیں ہے

شیطان تجھے سننے نہیں دیتا مری تقریر
بینا وہ ہے سُوجھے جسے انجام کی تدبیر
دوزخ ہے یہ منصب تو جہنّم ہے یہ جاگیر
کھوتا ہے دو عالم سے تجھے حاکمِ بے پیر
گر سبطِ پیمبر پہ ترا زور چلے گا!
تو تا بہ ابد نارِ جہنّم میں جلے گا

بیٹے نے کہا حُر سے بس اب خُلد میں چلیے
ہوتی ہے بس اب دیر جہنّم سے نکلیے
آنکھیں قدمِ قبلۂ کونین پہ ملیے
چل کر چمنِ فاطمہؑ میں پھولیے پھلیے
سامع سخنِ حق کا یہ مردود نہ ہوگا
جاہل کو نصیحت سے کبھی سود نہ ہوگا

بھائی نے کہا تول کے شمشیر شرربار ہاں جہلِ مرکب میں سیہ رُو ہے گرفتار
یہ پند بھی بے جا ہے نصیحت بھی ہے بیکار سمجھانے سے غرض کیا سگِ دنیا ہے یہ غدار
بدخواہِ جگر بندِ رسولِ مدنیؐ ہے
یہ دشمنِ دیں خلق میں گردن زدنی ہے

چلایا قریب آ کے غلامِ محمدِ غازی غو غو یونہی کرتا ہے یہ سگ چھیڑ کے تازی
ہم دوست ہیں یہ دشمنِ سلطانِ حجازی ان آنکھوں نے دیکھی ہے بہت فتنہ بازی
منحوس نے بدنام کیا قومِ عرب کو
اس بوم کے سائے سے حذر چاہیے سب کو

تھے چار جواں ہاتھ میں تولے ہوئے شمشیر سنتا رہا چپکا سخن سخت وہ بے پیر
نعرہ کیا شیروں نے کہ یا حضرتِ شبیرؑ سیدھے کیے گھوڑے کہ کمانوں سے چلے تیر
چاروں کے فرس صبر کے طرارے نکل آئے
بدلی سے چمکتے ہوئے تارے نکل آئے
اسلام کی سرحد میں جو پہنچے وہ نکوکار ہمراہوں پہ چاروں نے رکھے کھول کے ہتھیار
بس باندھ کے ہاتھوں کو پکارا محمدِ دیندار یا عقدہ کشا یا شہِ دیں یا شہِ ابرار
کشتی ترے مجرم کی تباہی میں پڑی ہے
اے نوحِ غریباں یہ حمایت کی گھڑی ہے
مشہورِ دو عالم ہے تری ہمتِ عالی سائل ترے در سے کوئی جاتا نہیں خالی
سر پر ہے گناہوں کی بلا چرخ نے ڈالی توبہ کے لیے آیا ہوں یا خلق کے والی
انصار نہیں قوم و قبیلہ نہیں رکھتا
میں تیرے سوا اور وسیلہ نہیں رکھتا

حضرت نے سُنا حُر کا جو یہ نالۂ جانکاہ   خود ہاتھوں کو پھیلا کے پکارے شہِ ذیجاہ
آ آ مرے ہمدرد و مددگار و ہوا خواہ   بھائی میں بڑی دیر سے تکتا تھا تری راہ
استادہ ہے کیوں دُور تردّد تجھے کیا ہے
پہلو میں جگہ ہے مرے دل میں تری جا ہے

جس حال میں ہو تم کہ مرا گھر ترا گھر ہے   ماتمکدۂ آلِ پیمبرؐ ترا گھر ہے
کاشانۂ لختِ دلِ حیدرؑ ترا گھر ہے   جنّت میں مرے گھر کے برابر ترا گھر ہے
فیاض ہیں صادق ہیں سخی ابن سخی ہیں
مہماں ہمیں پیارا ہے کہ ہم آلِ نبیؐ ہیں

اکبرؑ نے لیا ہاتھ میں دستِ حُرِ ذیجاہ   عباسؑ نے خود فرق پہ کھولا علمِ شاہ
قاسمؑ تھے برادر کے برابر صفتِ ماہ   زینبؑ کے پسر دونوں چلے بیٹے کے ہمراہ
اکرام سے توقیر سے تعظیم سے لائے
مہماں کو سبھی عزّت و تکریم سے لائے

بھائی سے لگا کر اسے بولے شہِ والا   اب خوف ہے کیا دل ہے ترا کیوں تہ و بالا
خالق نے تجھے کفر کی ظلمت سے نکالا   غفّار ہے راحم ہے گنہ بخشنے والا
آنچ اس کے لیے ہے جو بہکا جاتا ہے بھائی
یہ عجز ہی اللہ کو خوش آتا ہے بھائی

ہمسایہ محبوبِ خدا تجھ کو ملے گا   قربِ اسدِ قلعہ کُشا تجھ کو ملے گا
کھل جائیں گی آنکھیں وہ صلا تجھکو ملیگا   کل آج کے فاقے کا مزا تجھ کو ملے گا
سب جیتے ہی جی تک کا یہ قصّہ ہے برادر
حصّے میں ہمارے ترا حصّہ ہے برادر

کی دستِ ادب جوڑ کے عباس نے یہ گفتار
مجھ کو اسی نعمت کا ہے یہ عبدِ گنہگار
باتیں یہ یہاں تھیں کہ بڑھی فوجِ ستمگار
چلّوں سے چلے تیر علَم کھُل گئے یکبار
ڈنکے پہ اُدھر چوٹ پڑی لشکرِ کیں سے
تکبیر کے نعرے ہوئے فوجِ شہِ دیں سے

عباسؑ نے کھولا علَمِ فوجِ پیمبر
جھومے صفتِ شیر جوانانِ دلاور
کی عرض پدر سے علی اکبرؑ نے یہ بڑھ کر
کیا حکم ہے تیر آتے ہیں اس فوج سے سرور
فرمایا کہ اب کیا ہے لڑو لشکرِ شر سے
بس دیر اسی کی تھی کہ سبقت ہو اُدھر سے

بشّاش ہژبر جو بڑھے سُن کے یہ احکام
شہزادے کے قدموں پہ گرا حُرِ خوش انجام
کی عرض بمنت کہ مدد کا ہے یہ ہنگام
خادم جو ہراول ہو تو ہو جائے بڑا نام
دلوا دو اجازت کہ غریب الغربا ہوں
حسرت ہے کہ پہلے ہی میں آقا پہ فدا ہوں

فرمایا بشفقت علی اکبرؑ نے کہ اچھا
ساتھ اس کو لیے آئے حضورِ شہِ والا
کی عرض کہ اے قبلۂ دیں سیدِ بطحا
پہلے مجھ غازی کو ہے رخصت کی تمنا
بھیجیں اسے گر حکمِ امامِ مدنی ہو
بہتر ہے کہ مہماں کی نہ خاطر شکنی ہو

حضرت نے کہا [illegible]
تم ہم [illegible] مہماں [illegible]
بیکس کے عزیز و رفقا چھٹتے ہیں [illegible]
[illegible] اور ابھی [illegible]
دم بھر نہیں گذرا کہ ملاقات ہوئی ہے
باتیں بھی ابھی کچھ نہ مدارات ہوئی ہے

اللہ ری عجلت ابھی آنا ابھی جانا — مشتاق محبت کو ہنساتے ہی رلانا
بیتابئ تحصیل سعادت ہے یہ مانا — سوچو تو کہ کچھ بھی ابھی گزرا ہے زمانا
کیوں فکر ہو کہ تلواروں سے بے دم اسے دیکھیں
یہ دیکھیے جی بھر کے ہیں ہم اسے دیکھیں

حر سے علی اکبرؑ نے یہ فرمایا کہ بھائی — منظور ابھی شہ کو نہیں تیری جدائی
گر کر قدم شہ پہ یہ بولا وہ فدائی — مر جاؤں گا پہلے جو رضا ان کی نہ پائی
اولاد بھی فیاض ہے ماں باپ سخی ہیں
محروم نہ خادم کو رکھیں آپ سخی ہیں

مجھ سے کوئی پوچھے تو کہ کیا لے کے چلا ہوں — مقبولِ الٰہی کی دعا لے کے چلا ہوں
سید کی غلامی کا صلہ لے کے چلا ہوں — کافی ہے ابد تک وہ عطا لے کے چلا ہوں
نام اس کا ہے بخشش یہ عنایت یہ سند ہے
رخصت نہیں آزادئ دوزخ کی سند ہے

کی حر نے فصاحت سے جو مداحئ سرور — نہوڑا لیا شرما کے سخی نے سرِ انور
اکبرؑ سے اشارے میں یہ فرمایا کہ دلبر — کہہ دو کہ خوشی تیری اسی میں ہے تو بہتر
مداح کو، مہماں کو، بہادر کو صلا دو
آؤ یہ عبا لے کے مری حر کو اڑھا دو

اکبرؑ نے عبا لے کے جو مہماں کو اڑھائی — شہ بولے کہ نانا کا تبرک ہے یہ بھائی
عباسؑ پکارے کہ زہے عقدہ کشائی — اے خلعتِ رحمت تیری امید بر آئی
کونین کا اقبال و حشم جانیو اس کو
فردوس کے حلے سے نہ کم جانیو اس کو

رخصت ہوا جب سبطِ نبی سے حُرِ جرّار — چومے قدمِ شاہ جو رو رو کے کئی بار
تسلیم جو کی جُھک کے تو رو دیئے شہِ ابرار — فرمایا خدا حافظ و ناصر ہو مرے غمخوار

دنیا کے سعیدوں میں ترا نام ہو بھائی
عقبیٰ میں تجھے راحت و آرام ہو بھائی

اشعارِ رجز پڑھ کے وہ جرّار پکارا — آتا ہے غلام اس کا حق کا ہے جو پیارا
آقا ہے مرا عرشِ معلّیٰ کا ستارا — ہاں فوجِ ستم نکلے جسے ہو جنگ کا یارا

بھیجا ہے نواسے نے رسولِ دوسرا کے
اے قوم ہراول ہوں میں لشکر کا خدا کے

یہ سنتے ہی برسانے لگے تیر ستمگار — بھائی حرِ غازی کا بڑھا ڈھال لے تلوار
دہنی طرف آیا پسرِ صفدر و جرّار — اک شیر سا نیزوں میں دھنسا عہدِ وفادار

کفار کے سر تن سے گرے خاک پہ کٹ کر
مارے گئے لشکر کی صفیں رن میں اُلٹ کر

لاشوں کو ہٹانے لگے جب قبلۂ عالم — چھیڑا اخِ دیندار نے شبدیزِ صبا دم
بھائی کا بھی اندوہ تھا بیٹے کا بھی تھا غم — پر صبر تو دیکھو کہ ذرا آنکھیں ہوئیں پُرنم

جھک کے غضبی ہو کے لڑنے لگا فوجِ گراں سے
مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ گیا کون جہاں سے

شدّت سے ساماں شہِ دیں کی لڑائی — وہ صف شکنی تھی [illegible] سے لڑائی
اک برق گری تیغ چمک کر جو ادھر آئی — برباد کیا پھونک دیا آگ لگائی

پانی میں وہ آتش تھی کہ گھبرا گئے تھے اعدا
جلتی ہوئی دوزخ میں جلے جاتے تھے اعدا

لشکر سے جو نکلا وہ قریب آ کے نہ ٹھہرا
تلوار کا اک وار کوئی کھا کے نہ ٹھہرا
چہرے پہ سیہ کار سپر لا کے نہ ٹھہرا
نامرد لڑائی کی جگہ پا کے نہ ٹھہرا
جم جائے جہاں کوہ وہاں کاہ سے کیا ہو
جب شیر کو غیظ آئے تو روباہ سے کیا ہو

کس صف پہ چلی تیغ کہ آفت نہ دکھائی
کس غول پہ چمکی کہ قیامت نہ دکھائی
کس کس کو پری بن کے شرارت نہ دکھائی
جلوہ کیا سو بار پہ صورت نہ دکھائی!
چھل اس کا نظر بندیٔ اعدا پہ تُلا تھا
اس میں کوئی پردہ نہیں منہ صاف کھلا تھا

بے سر نظر آیا وہ جسے پا گئی شمشیر
دم بھر میں لہو خاک پہ برسا گئی شمشیر
چمکی تو ادھر اور اُدھر آ گئی شمشیر
کیا منہ تھا کہ فولاد کو بھی کھا گئی شمشیر
سکتہ تھا ہر اک دل پہ عجب چوٹ پڑی تھی
پُرزے کیا اس کو بھی زرہ لاکھ کڑی تھی

جو دشمن دیں تھا اسے پہچانتی تھی وہ
مغفر کو حباب لب جو جانتی تھی وہ
چار آئینہ و خود کو کب مانتی تھی وہ
ہر وار میں جوشن کا جگر چھانتی تھی وہ
اژدر تھا کہ تلوار تھی دم تھا کہ ستم تھا
نا میں تھیں کہ گھر موت کا پانی تھا کہ سم تھا

رہوار کی وہ چال وہ تلوار کا چلنا
بھاگڑ وہ پیادوں کی صفوں کا وہ کچلنا
غصے میں وہ شبدیز کی آنکھوں کا ابلنا
کف منہ سے گرا کر وہ کنوتی کا بدلنا
مارا تھا قدم اس نے شجاعت کے چمن پر
یوں گھوڑے پہ جاتا تھا اسد جیسے ہرن پر

اڑنے میں سمجھتا تھا فرس دل کا اشارا　　رہوار نے کچلا اسے حُر نے جسے مارا
وہ جست وہ چھل بل وہ ڈپٹ اور وہ طرارا　　مُڑنے میں نظر شوخ کی اُڑنے میں چکارا
ایسا تو سبک رو فرس برق سفر ہو
پُتلی پہ ہو پتلی تو نہ آنکھوں کو خبر ہو

کھانے لگی گھونگھٹ جو سپاہِ ستم آرا　　بڑھ کر عمرِ سعد جوانوں کو پکارا
جاتے ہو کہاں چھوڑ کے دریا کا کنارا　　گھیرو اسے تیروں میں یہ دشمن ہے ہمارا
دو لاکھ جواں ایک کا سر لا نہیں سکتے
ہاں تیر لگاؤ جو قریں جا نہیں سکتے

آواز یہ دی حُر نے کہ اے ظالمِ غدار　　غیرت ہے تو آ سامنے تو چھیڑ کے رہوار
بتلا انہیں اندازِ وغا کھینچ کے تلوار　　کیوں صورتِ روباہ دبکتا ہے جفاکار
تُو دشمنِ لختِ جگرِ شیرِ خدا ہے
اس صف سے نکل کر جو ادھر آ تو مزا ہے

کہہ کر یہ سخن قلب میں لشکر کے در آیا　　سمٹا ہوا لشکر تہ و بالا نظر آیا
رہوار تڑپ کر اِدھر آیا اُدھر آیا　　مضطر ہوئے سب ایک نہ صفدر سے بر آیا
باندھے تھے کمر شمر و عمر خیرہ سری پر
بوچھاڑ ہوئی دور سے تیروں کی جری پر

پیہم جو لگے تیر فرس بن گیا طاؤس　　دم بھر میں لہو ہو گیا جرّار کا ملبوس
سینہ ہے کہ تودا ہے نہ ہوتا تھا یہ محسوس　　غش آنے لگے خیر ہوا جنگ سے مایوس
رُخ زرد تھا گلنار تھی پوشاک لہو سے
فوارۂ خوں چھوٹتے تھے ہر بُنِ مُو سے

اس حال میں بھی رکتی نہ تھی حُر کی تلوار　　جو آگیا زد پر اُسے بھیجا طرف نار
پے کر دیا گھوڑے کو جفا کاروں نے اکبار　　مجروح جسے اب کیا ہو فرس ہو گیا بیکار

جب وقت برابر ہوا پھر ٹل نہیں سکتا
گھوڑے کا اشارا تھا کہ اب چل نہیں سکتا

جب تک کہ جری پاؤں رکابوں سے نکالے　　مہمان کے سینے پہ کئی چل گئے بھالے
خود سنبھلے کہ گرتے ہوئے گھوڑے کو سنبھالے　　مرکب سے جو کودا تو بڑھے برچھیوں والے

دیکھا جو فرس نے مرا مالک نہیں زیں پر
اللہ ری وفا مر گیا گرتے ہی زمیں پر

رونا تھا وفاداریٔ مرکب پہ وہ صفدر　　جو فرق پہ پیچھے سے پڑا گرزِ گراں سر
حضرت کو پکارا وہ حزیں خاک اڑا کر　　مہماں کی خبر لیجیے یا سبطِ پیمبر!

خادم نہیں بھائی نہیں پیارا نہیں میرا
مولا کے سوا کوئی سہارا نہیں میرا

اعدا نے اُدھر فتح کے باجے جو بجائے　　نکلا پسرِ سعد لعیں چتر لگائے
یہ دُور سے حُر کو سخن طنز سنائے　　کیوں ترکِ رفاقت کے مزے خوب اٹھائے

اس وقت کوئی آکے حمایت نہیں کرتا
جاہل بھی کوئی ایسی حماقت نہیں کرتا

افسوس صد افسوس عبث جان گنوائی　　اب رونے کو لاشے پہ نہ بیٹا ہے نہ بھائی
بتلا مجھے وہ کونسی دولت ہے جو پائی　　مہمانی ہیں تلوار پہ تلوار تو کھائی

ہاں مرتبہ اس وقت شہیدوں میں بڑھیگا
جب نوکِ سناں پہ ترا سر کٹ کے چڑھیگا

گردن کو اُٹھا کر یہ پکارا جری دیندار — کیا ہرزہ سرائی ہے یہ او ظالم غدار
پاس آ کے سخن کر تو سنوں میں تری گفتار — زخمی ہوں مگر ہاتھ سے چھوٹی نہیں تلوار
بڑھتا نہیں یہ خوف و خطر طاری ہے تجھ پر
مرتا ہوں پہ مژدہ بھی مرا جاری ہے تجھ پر

رتبہ جو ملا ہے مجھے تو کیا اُسے جانے — خود کور ہے آنکھیں تجھے کب دی ہیں خدا نے
گھیرا ہے مجھے رحمتِ ربِّ دو سرا نے — پہلو میں محمدؐ ہیں یداللہ ہیں سرہانے
سر عرش پہ اُن کا ہے جو کٹتے میں بڑھے ہیں
بدرے لیے ہاتھوں میں مَلک گرد کھڑے ہیں

مجھ سا بھی زمانے میں کوئی ہوتا ہے دانا — اک جَو کے برابر تری دنیا کو نہ جانا
رحمت کے مزے دے گیا یہ برچھیاں کھانا — صدقے ہوا اس پہ کہ نبیؐ جس کے ہیں نانا
بیٹا ہے تو خلعت کو نہ انعام کو دیکھے
عاقل اسے کہتے ہیں جو انجام کو دیکھے

غش ہو گیا یہ کہہ کے جو حُرِّ جگر افگار — سر کاٹ لو اس کا یہ پکارا وہ جفاکار
جلاد بڑھے تھے کہ ہوا شور یہ اک بار — بھاگو کہ حسینؑ آتے ہیں کھینچے ہوئے تلوار
اُٹھنے کی نہیں ضرب ولی ابنِ ولی کی
دیکھو کہیں بجلی نہ گرے تیغِ علیؑ کی

آمد جو سنی شیر کی پسپا ہوئے روباہ — لاشے پہ گیا راحتِ جانِ اسداللہ
دیکھا یہ تڑپتا تھا وہ حضرت کا ہوا خواہ — لاشے سے لپٹ کر یہ پکارے شہِ ذیجاہ
[illegible] کہاں ہیں بھائی
[illegible] آئے ہیں بھائی

سُن کر یہ صدا حُرؑ نے جو آنکھوں کو کیا وا　　سر حضرتِ شبیرؑ کی آغوش میں دیکھا
جلدی قدمِ شاہ پہ منہ مل کے یہ بولا　　صدقے ترے الطاف کے اے سیدِ والا
تکیہ ترے زانو کا میسّر ہوا آقا
ذرّہ تھا یہ اب مہرِ منوّر ہوا آقا

غش سے نہ کھلتے تھے مرے دیدۂ پُرنم　　صحبت تھی مرے گرد عجب طرح کی اس دم
ارشاد یہ فرماتے تھے خود سیدِ عالمؐ　　لے آئے ہیں اے حُرؑ ترے لینے کے لیے ہم
شبیرؑ کا جو دوست وہ پیارا ہے نبیؐ کا
تو آج سے مہماں ہے رسولِ عربیؐ کا

مجھ پر حسنؑ و جعفرؑ و حمزہؑ کا ہے یہ پیار　　جس طرح دمِ نزع یگانے ہوں پرستار
ارشادِ علیؑ ہے ملک الموت سے ہر بار　　ہاں رفق و مدارا کر ہمارا ہے یہ غم خوار
زخمی ہے جدا کیجیو یوں روح بدن سے
جس طرح اٹھاتا ہے کوئی پھول چمن سے

یہ ذکر تھا ظاہر ہوئے جو موت کے آثار　　تن سرد ہوا زرد ہوئے پھول سے رخسار
دم بند ہوا کھول دیے دیدۂ خوں بار　　مُڑ کر سوئے شبیرؑ کراہا وہ نکوکار
بس دیکھ کے دیدار امامِ ازلی کا
رخصت ہوا مہمان حسینؑ ابن علیؑ کا

شہادتِ حبیب ابنِ مظاہر

اب یاں سے رقم کرتا ہے یوں کلکِ صادق جب قتل ہوا حُر سا مدد گار موافق
پھر فوج پہ برسانے لگے تیر منافق مر جانے پہ اک دل ہوئے سب شاہ کے عاشق

ایک ایک سے پہلے تھا خریدار اجل کا
سر بکف سب تھے گرم تھا بازار اجل کا

یوں جاتے تھے میدانِ شہادت میں وہ جرّار جس طرح کہ بھیجی ہوئی بلبل سوئے گلزار
خود روکتے تھے فرق پہ جب آتی تھی تلوار بارانِ کرم جانتے تھے تیروں کی بوچھار

برچھی جو لگی نخلِ شہادت میں پھل آیا
جان آ گئی جس وقت پیامِ اجل آیا

زخموں کو عطائے صمدی جانتے تھے وہ آزار کو نعمتِ احدی جانتے تھے وہ
جینے کو مقدر کی بدی جانتے تھے وہ مرنے کو حیاتِ ابدی جانتے تھے وہ

سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ محمد کی ثنا تھی
دو روز کی پیاس اُن کے لیے آبِ بقا تھی

قربان ہوئے جب حبیب ابنِ مظاہر [illegible]
عباس سے بھی حبیب [illegible] [illegible]

[illegible]
[illegible]

زندانِ جوانوں کا بھی پیرانہ سری بھی — پروانۂ جانباز بھی شمعِ سحری بھی
ابرار بھی دیندار بھی عصیاں سے بری بھی — زاہد بھی مجاہد بھی نمازی بھی جری بھی

طفلی سے یہ فوجِ شہِ نامی میں رہے تھے
ترسٹھ برس آقا کی غلامی میں رہے تھے

رعشہ تھا کہ قابو میں نہ تھے دستِ نکوکار — پر ایک میں محکم تھی سپر ایک میں تلوار
جب شہ کی طرف تیر لگاتے تھے ستمگار — یہ بڑھ کے اُسے روکتے تھے سینے پہ ہر بار

بھائی مرے پاس آؤ یہ فرماتے تھے حضرتؑ
جب تیر اُنھیں لگتا تھا تڑپ جاتے تھے حضرتؑ

شہادت پسرانِ حضرت مسلمؑ

مارے گئے مولا کے جب انصار و موالی — تب حضرتِ مسلمؑ کے یتیموں نے قضا لی
جس دم وہ چلے رونے لگے سرورِ عالی — اک حملے میں دونوں نے پرے کر دیئے خالی

تھا غلغلۂ دار و بگیر اہلِ ستم میں
برپا تھا تلاطم حرمِ شاہِ امم میں

گھر میں یہ تلاطم تھا کہ آئے علی اکبرؑ — کی عرض پھوپھی سے کہ ذرا سنیے تو مادر
روتی ہوئی گھبرا کے اٹھی زینبِ مضطرؑ — پاس آ کے کہا خیر تو ہے اے مرے دلبر

ماتم میں بجا ہوش ہمارے نہیں بیٹا
بھائی کو کہیں رن کو سدھارے نہیں بیٹا

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ خود آئے شہِ ابرار — کس درد سے فرمایا کہ اے خواہرِ غمخوار
سب فوج سے لڑ کر پسرِ مسلمِ ناچار — مارے گئے مقتل میں وہ ناشاد و جگر دار

پہنچے نہیں ان سے بھی جدائی ہوئی زینبؑ
بس خاتمہ ہے گھر کی صفائی ہوئی زینبؑ

شہادتِ پسرانِ حضرتِ زینبؑ

زینبؑ نے سُنی جب یہ خبر شاہِ امم سے
مُسلم کے پسر خوب لڑے فوجِ ستم سے
دل دہل گیا رنگ اُڑ گیا افراطِ الم سے
آنسو رخِ انور پہ بہے دیدۂ نم سے
کام آتا تھا جو سُن کے خجل ہوتی تھی زینبؑ
فرزندوں کا مُنہ تکتی تھی اور روتی تھی زینبؑ

کچھ مُنہ سے نہ کہتی تھی مگر تھا یہ اُسے دھیان
شہ پر مرے بیٹے ہوں اسی طرح سے قربان
آگے تو یہ حسرت تھی کہ ہو بیاہ کا سامان
اب کوئی تمنا نہیں گر ہے تو یہ ارمان
چرچا ہو کہ حق ماں کا ادا کر گئے دونوں
کس شان سے زینبؑ کے پسر مر گئے دونوں

سب بیبیوں کا دھیان اسی بات پہ ہوگا
مشہور ہے زینبؑ شہِ مظلوم کی شیدا
کیا وجہ جو فرزندوں کو مرنے کو نہ بھیجا
کچھ بن نہیں آتی مجھے تدبیر کروں کیا؟
کسکو خبر اس کی ہے کہ غم کھاتی ہے زینبؑ
لاش آتی ہے اوروں کی گڑی جاتی ہے زینبؑ

میں آپ تو بیٹوں سے کروں گی نہ یہ تقریر
ماموں کے عوض سینے پہ کھاؤ تبر و تیر
خود جانتے ہیں مرتبۂ حضرتِ شبیرؑ
ہیں سوچ میں، دیکھوں تو یہ کیا کرتے ہیں تدبیر
صادق ہیں محبت میں تو کام آئیں گے دونوں
مادر کو رُلائیں گے تو مر جائیں گے دونوں

ماموں نے انھیں دل کی طرح گود میں پالا   آقا کی رفاقت سے ہوئی قدر دوبالا
کیا دل میں تھیں اُبھکے ولائے شہِ والا   بچّے نہیں کچھ نامِ خدا ہوش سنبھالا
منصف ہو کوئی یہ مرے بہلانے کے دن ہیں
یا آپ سے اُن دونوں کے مرجانے کے دن ہیں

مانع ہے جو پاسِ ادبِ سیّدِ ابرار   کیا قصد ہے مجھ سے تو کریں دردِ دل اظہار
حیراں ہوں آپس ہی میں ہے کس بات کی تکرار   مرنا نہیں منظور تو کیوں باندھی ہے تلوار
کھلتے ہیں نہ کہتے ہیں نہ رضا لیتے ہیں دونوں
ہر دم مرا مُنہ دیکھ کے رو دیتے ہیں دونوں

تیرے لیے روتے ہیں تو بیجا ہے یہ زاری   ماموں پہ تصدّق ہوں جو ماں باپ کو ہیں پیاری
مر جانے کی ہمت انھیں دے ایزدِ باری   میں گرد پھروں ان کے جو منھ پہ کھائیں کاری
بیٹا ہو بھتیجا ہو غنی ہو کہ گدا ہو!
مجھ کو تو وہ پیارا ہے جو بھائی پہ فدا ہو

انصار لڑے شاہ کے لاکھوں سے اکیلے   پیاسے بھی رہے زخم بھی تلواروں کے جھیلے
ایسے نہیں جو نرغے میں لشکر انھیں ریلے   ساتھ ان کے جو کھیلے تھے وہ یوں جان پہ کھیلے
دے سب کو خدا خلق میں لختِ جگر ایسے
ماں صابرہ ایسی، پدر ایسا، پسر ایسے

ماموں پہ یہ آفت ہے اور ان کو نہیں کچھ دھیان   اب وقت نہ ہونگے تو کب ہونگے قرباں
بن باپ کے بچّے ہیں تو سمجھائے [illegible]   ہشیار ہیں عاقل ہیں کچھ ایسے نہیں ناداں
[illegible] وہ مرنے کی قسم کھاتے تھے مجھ سے
[illegible] بگڑ جاتے تھے مجھ سے

وہ کیا تھا جو دونوں یہ کیا کرتے تھے تقریر   ہو جائیں گے ہم پہلے نثارِ سرِ شبیرؑ
اب کیا ہے جو مرنے میں کرتے ہیں وہ تاخیر   شرمندہ ہوئی بھائی سے ہے ہے مری تقدیر
وہ جانے نہ دیتے تھے اگر فوجِ ستم پر
کیوں گر نہ پڑے دوڑ کے ماموں کے قدم پر

اچھا کیا جو کچھ کیا مرنے کو نہ جائیں   پر کوئی یہ کہہ آئے کہ اب گھر میں نہ آئیں
کیا کام ہے مجھ سے مجھے صورت نہ دکھائیں   مادر کی ملاقات سے بس ہاتھ اٹھائیں
پھر جائیں وطن چھوڑ کے مجھ خستہ جگر کو
ماں مرگئی آباد کریں باپ کے گھر کو

دل سے یہ بیاں کرتی تھی زینبؑ جگر افگار   اتنے میں پسر آکے گرے قدموں پہ اک بار
کی دستِ ادب جوڑ کے یہ عون نے گفتار   ہے بھائی میں اور مجھ میں بڑی دیر سے تکرار
میں کہتا ہوں مرنے کو مجھے جانے دو پہلے
یہ کہتے ہیں تلواریں مجھے کھانے دو پہلے

کب تک میں بھلا رنج عزیزوں کے اٹھاؤں   سمجھائیں انھیں آپ تو میں مرنے کو جاؤں
زخمِ تبر و تیر و سناں سینے پہ کھاؤں   اعدا کو شجاعت شہِ مرداں کی دکھاؤں
مردوں کا دلیروں کا یہی کام ہے اماں
لڑتے جو اکیلے تو بڑا نام ہے اماں

یہ کہہ کے جو خاموش ہوا عونِ خوش اطوار   صدمے سے نہ چھوٹے کو رہی طاقتِ گفتار
بس آنکھوں کو مل مل کے وہ رونے لگا یکبار   کی عرض سنا آپ نے اے مادرِ غمخوار
کیا جانیے کس بات سے یہ ہم سے خفا ہیں
ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ باپ کی جا ہیں

ہم نے تو کبھی ان کو اکیلا نہیں چھوڑا
خدمت سے غلامی کی کبھی منہ نہیں موڑا
سر پاؤں پہ سو بار دھرا ہاتھوں کو جوڑا
گھبرا کے جدائی کا سخن دل مرا توڑا

ہم تو کسی مشکل کو بھی مشکل نہیں سمجھے
شاید ہمیں یہ جنگ کے قابل نہیں سمجھے

چھوٹے ہیں جواب اسکا بڑے بھائی کو کیا دیں
اچھا ہمیں لاکھوں سے یہ لڑنے کی رضا دیں
پیچھے جو ہٹیں پاؤں تو جو چاہے سزا دیں
میداں سے خدا چاہے تو لشکر کو بھگا دیں

جانبازوں کے نزدیک نہیں ملکِ عدم دور
نہ فوجِ ستم دور نہ یہ دور نہ ہم دور

دنیا میں کوئی اور بھی ہم سا ہے دلاور
ہم شیر ہیں شیروں کو نہیں مرنے کا کچھ ڈر
اک حملے میں گر ہم نہ الٹ دیں صفِ لشکر
پھر دودھ نہ اپنا ہمیں تم بخشیو مادر

شہ کے قدمِ پاک پہ سر دیکے پھریں گے
یا ان سے سرِ شمر دغا دے کے پھریں گے

خاطر تو نہ ان کی نظر آئی کیجیے مادر
انصاف سے فرمائیے از بہرِ پیمبر
کس طرح کہوں میں کہ چلے جائیے برادر
چھوٹا تو جیے اور بڑا بھائی ہو بے سر

بچپن سے سدا ساتھ لیے ساتھ چلے ہیں
کیسی ہے یہ الفت کہ ہمیں چھوڑ چلے ہیں

بچوں کے سخن سن کے بہت کڑھی زینب
ہاں دیر کا باعث یہی تھا مجھ پہ کھلا اب
قرباں گئی سمجھی میں یہ وعدوں کا مطلب
ماموں پہ تصدق ہو یہ گوارا ہے تمہیں کب

جس کام کے قسم ہو یہ اسی کام کا دن ہے
کس طرح سے سمجھاؤں نہ کرو نام کا دن ہے

بہن کی جدائی جو گوارا نہیں پیارو — جھگڑا میں چکا دیتی ہوں لو ساتھ سدھارو
ماموں کے جو دشمن ہیں انھیں گھیر کے مارو — سرداروں کے سر چھوٹی سی تیغوں سے اتارو
باندھی ہے کمر دونوں ستمگاروں نے شر پر
اک شمر پہ حملہ کرے اور ایک عمر پر

جھپکے نہ پلک سر پہ جو شمشیر اجل آئے — چھاتی پہ لگے تیر تو ابرو پہ نہ بل آئے
قاصر ہو نہ ہمت نہ شجاعت میں خلل آئے — چھاتی نہ ہٹے سینہ پہ برچھی کا جو پھل آئے
لوگ ایسے ہی جانبازوں کو روتے ہیں جہاں میں
شیروں کے پسر شیر ہی ہوتے ہیں جہاں میں

نعرے کرو ایسے کہ دلِ کوہ دہل جائے — جل جائے وہ صف اژدرِ تیغ کا چل جائے
رستم ہو تو گھبرا کے صفِ جنگ سے ٹل جائے — مچھلی کی طرح ایک سے آگے نکل جائے
لشکر پہ چپ و راس چڑھے جائیو واری
لڑتے ہوئے اعدا کو بڑھے جائیو واری

غیروں کے لیے ننگ ہے تلوار سے ڈرنا — میداں میں تن تن کے سپر سینوں کو کرنا
ہر زخم پہ دم الفتِ شبیرؑ کا بھرنا — قربان گئی جینے سے بہتر ہے یہ مرنا
دنیا میں بھلا عزتِ اسلام تو رہ جائے
تم جیتے رہو یا نہ رہو نام تو رہ جائے

نانا کی طرح کون وغا کرتا ہے دیکھوں — سر کون ہزاروں کے جدا کرتا ہے دیکھوں
حق کون محبت ماں کا ادا کرتا ہے دیکھوں — ایک ایک صفِ جنگ میں کیا کرتا ہے دیکھوں
دکھلائیو ہاتھوں سے صفائی کا تماشا
میں پردے سے دیکھوں گی لڑائی کا تماشا

پیارے ہو بہت تم کو جو سمجھائیں ستمگر　　پانی تمہیں دیں شمر سے مل جاؤ جو چھُٹ کر
دیکھو یہ جواب ان کو کہ اے قوم بداختر　　اللہ نے بخشا ہے ہمیں چشمۂ کوثر
سر کٹ کے تنوں سے قدمِ شہ پہ گریں گے
پانی کے لیے قبلۂ عالم سے پھریں گے

غصے میں کہتی ہوں خبردار خبردار　　پانی جو پیا دودھ نہ بخشوں گی میں زنہار
کیوں جاؤ اُدھر کیا تمہیں دیا ہے سرکار　　وہ بولے کہ دریا کو جو دیکھیں تو گنہگار
دو روز کی جو تشنہ دہانی میں مزا ہے
نہ شہد میں لذت ہے نہ پانی میں مزا ہے

دونوں نے جو کی جوش کے ہاتھوں کو یہ تقریر　　خوش ہو کے یہ فرمانے لگی شاہ کی ہمشیر
میں خوب سمجھتی ہوں کہ ہو عاشقِ شبیر　　اللہ نے بخشی ہے تمہیں عزت و توقیر
بھیجے نہ پھرو گے یہ قسم کھاتی ہوں واری
کمسن ہو بہت اس لیے سمجھاتی ہوں واری

مجھ کو یہ تمنا ہے کہ وہ کام ہو تم سے　　میدان میں عاجز سپہ شام ہو تم سے
سرسبز زمانے میں مرا نام ہو تم سے　　حیدر کی طرح رونقِ اسلام ہو تم سے
پھر جانا ہو مہلت جو اجل اب کی نہیں دے
اللہ انہیں چھوٹی سی تلواروں میں بل دے

کیا خوش ہوں کہیں آکے جو عباس دلاور　　یوں عون و محمد نے الٹ دی صفِ لشکر
لائیں خبرِ فتح و ظفر قاسم و اکبر　　بانو سے خوشی ہو کے کہیں سبطِ پیمبر
کس سے ہو توقع جو یگانوں سے نہ ہوئے
لڑکوں سے ہوا وہ جو جوانوں سے نہ ہوئے

کچھ سوچ کے اتنے میں اٹھی بنت ید اللہ — بیٹوں کو چلی لے کے حضور شہ ذیجاہ
روتے ہوئے سب اہل حرم بھی ہوئے ہمراہ — عباس سے اس وقت یہ فرمانے لگے شاہ
جھک جھک کے جو سمجھاتی ہوئی آتی ہے زینبؑ
دو بیٹوں کو رخصت کے لیے لاتی ہے زینبؑ

بس اتنے میں آئی شہ مظلومؑ کی خواہر — بیٹوں کے پکڑ ہاتھ پھری گرد برادر
گھبرا کے یہ فرمانے لگے سبط پیمبر — صدقے انھیں کیوں کرتی ہو قرباں میں تم پر
قسمت سے یہ دو نور نظر پائے ہیں تم نے
ہتھیار انھیں کس لیے بندھوائے ہیں تم نے

واللہ مری جان ہیں فرزند تمھارے — ہیں برج شرافت کا قمر ہوں یہ ستارے
ہے مجھ کو گوارا کوئی ان پہ مجھے وارے — یہ اکبرؑ و اصغرؑ سے سوا ہیں مجھے پیارے
ہاتھوں سے نہ کھونا کہ شجاع ازلی ہیں
یہ جوشن بازوئے حسینؑ ابن علیؑ ہیں

زینبؑ نے یہ کی عرض کہ اے سید ابرار — کل شام سے ان دونوں نے کھولے نہیں ہتھیار
فخر ان کا کہ تعریف کرے آپ سا سردار — باپ ان کے نمکخوار تھے یہ بھی ہیں نمکخوار
بیٹوں میں انھیں آپ نے محسوب کیا ہے
لونڈی نے تو دونوں کو غلامی میں دیا ہے

اس شب کا میں کیا حال کہوں آپ سے بھائی — تشویش سے تا صبح انھیں نیند نہ آئی
میں بیٹھی کچھ ان دونوں سے کہنے بھی نہ پائی — کی آپ وہ تقریر کہ دل سے مجھے بھائی
ہر بار مرے پاؤں پہ جھک جاتے ہیں دونوں
بھاتی ہوں کیا خود مجھے سمجھاتے ہیں دونوں

سو آپ سے میں عرض یہ اب کرتی ہوں بھائی حضرت بھی گوارا کریں اب ان کی جدائی
ساتھ ان کو وطن سے میں اسی واسطے لائی ہوتی ہے برے دن کے لیے نیک کمائی
کچھ غم نہ کریں آپ یہ محتاج خوشی ہے
ان دونوں کے مرنے کی مجھے آج خوشی ہے

کچھ ان کے سوا اور بضاعت نہیں رکھتی گوہر کوئی جز گوہرِ عزت نہیں رکھتی
دُنیا میں کسی طرح کی حشمت نہیں رکھتی محتاج ہوں نادار ہوں دولت نہیں رکھتی
جو کچھ مرے پاس ہے قربان ہے بھائی
دو بیٹے ہیں اور ایک مری جان ہے بھائی

کچھ عذر کیا چاہتے تھے سیدِّ ابرار سر پاؤں پہ نہوڑا کے یہ بولی وہ دل افگار
قربان گئی اب تو مناسب نہیں تکرار محروم نہ رکھیے کہ سخی کی ہے یہ سرکار
بہنوں کی مصیبت میں مدد کرتے ہیں بھائی
نادار کا ہدیہ نہیں رد کرتے ہیں بھائی

کس دن کے لیے ہیں یہ غلامانِ وفاکیش میداں میں شجاعت یہ دکھائیں گے کم و بیش
اب آپ نہ اس امر میں کچھ کیجیے پس و پیش نانا سے نہ شرمندہ ہو یہ خواہشِ دل ریش
آفاق میں عزت رہے محتاج غنی ہو
وہ بات نہ کیجیے کہ مری دل شکنی ہو

یہ سُن کے بہت روئے شہِ صابر و شاکر فرمایا بہن خیر میں اہلِ صبر کو حاضر
اچھا یہ کہیں کوچ کہ ہم بھی ہیں مسافر زینبؑ ترے بچوں کا خدا حافظ و ناصر
منظور یہ تھا ہوں نہ جدا ساتھ سے میرے
دو اور جواہر یہ چلے ہاتھ سے میرے

زینبؑ نے اشارا کیا آداب بجا لاؤ / تو گرد پھرو ماموں کے سر پاؤں پہ منھ لاؤ
حضرت نے کہا ہاتھوں کو پھیلا کے ادھر آؤ / میں پیار تو کر لوں مری چھاتی سے لپٹ جاؤ
گھر باپ کا ویران کیے جاتے ہو پیارو
زینت مرے لشکر کی لیے جاتے ہو پیارو

وہ پاؤں پہ گرنے کے لیے دوڑ کے آئے / شبیرؑ نے سر دونوں کے چھاتی سے لگائے
منھ پھیر کے اشک آنکھوں سے زینبؑ نے بہائے / خیمے سے چلے شاہ کی ہمشیر کے جائے
کیا دل تھا نہ روتی تھی نہ گھبراتی تھی زینبؑ
سمجھاتی ہوئی ساتھ چلی آتی تھی زینبؑ

ڈیوڑھی پہ جو پہنچی تو کہا عونؑ سے رو کر / ٹھہرو کہ پھرا لوں تمھیں گردِ علی اکبرؑ
چھوٹے سے کہا بھول گئے کیا مرے دلبر / تم جا کے نہ ہو آئے نثارِ علی اصغرؑ
لازم نہیں وہ بات کہ ماں جس میں خفا ہو
صدقہ انھیں دیتی ہوں کہ رد اُن کی بلا ہو

ہمشکلِ پیمبرؐ پہ ہوا عونؑ تو قربان / چھوٹے نے کہا دستِ ادب جوڑ کے اس آن
اماں ہمیں رخصت کی خوشی میں نہ رہا دھیان / اولاد پہ ماموں کے تصدق ہے مری جان
لاش آئے جو رن سے تو نہ دم ماریو اماں
گہوارۂ اصغرؑ پہ ہمیں واریو اماں

یہ کہہ کے برآمد ہوئے خیمے سے وہ مہرو / اس وقت تو دل پر نہ رہا شاہ کا قابو
بس بیٹھ گئے خاک پہ بہنے لگے آنسو / چلاتی تھی پردہ سے لگی زینبِ خوشخو
دو روز کے پیاسو تمھیں اللہ کو سونپا
حیدرؑ کے نواسو تمھیں اللہ کو سونپا

ماں صدقے بزرگوں کا چلن بھول جانا — سیکھے ہو جو کچھ جنگ کے فن بھول نہ جانا
آدابِ شہنشاہِ زمن بھول نہ جانا — جو میں نے کہا ہے وہ سخن بھول نہ جانا
وہ کہتے تھے جرأت تو خدا داد ہے اماں
تشویش نہ کیجے ہمیں سب یاد ہے اماں

یہ کہہ کے رکابوں میں قدم دونوں نے ڈالے — گھوڑوں پہ ہوئے جلوہ نما گیسوؤں والے
تن تن کے جو کاندھوں پہ رکھے بچوں نے بھالے — ماں تکتی تھی ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالے
رہوار کو ترجیح تھی چلنے میں صبا پر
وہ چاند کے ٹکڑے تھے نظر آتے ہوا پر

تسلیم کو گھوڑوں سے جھکے دونوں وہ گلرو — دل ماں کا یہ امڈا کہ ٹپکنے لگے آنسو
باگیں جو اٹھائیں تو فرس بن گئے آہو — پھر دیکھنے پائی نہ انھیں زینبِ خوشخو
میداں کی طرف یاں سے ماں رہ گئی تک کر
پنہاں ہوئے بدلی میں ستارے سے چمک کر

میداں میں عجب شان سے وہ شیر نر آئے — گویا کہ ہم حیدر و جعفر نظر آئے
غل پڑ گیا حضرت کی بہن کے پسر آئے — افلاک سے بالائے زمیں دو قمر آئے
یوسف سے فزوں حسن گراں مایہ ہے ان کا
یہ دھوپ بیاباں میں نہیں سایہ ہے ان کا

وہ چاند سے منہ اور وہ گیسوئے معنبر — وہ بدر سے رخسار یہ ہے قدرتِ داور
سب شانِ ید اللہ کی سب شوکتِ حیدر — چتون وہی غصہ وہی سارے وہی تیور
یہ دبدبہ کس صاحبِ شمشیر نے دیکھا
دیکھا جسے معلوم ہوا شبر نے دیکھا

تھے حسن میں ان دونوں کے آئینہ رو ایک　　پیشانی و ابرو و دو سر و صدر و گلو ایک
خال ایک شکوہ ایک جو رنگ ایک تو بو ایک　　دل ایک جگر ایک جسد ایک لہو ایک
اور ان سا کوئی غرب سے تا شرق نہیں ہے
دو ٹکڑے ہیں اک سیب کے کچھ فرق نہیں ہے

پڑھنے لگے اشعار رجز جب وہ دلاور　　اللہ ری فصاحت فصحا رہ گئے ششدر
ہر بیت تھی دشمن کے لیے تیغ دو پیکر　　ہر مصرعۂ برجستہ میں تھی تیزیِ خنجر
دے کون جواب ان کا کہ دم بند تھا سب کا
واں قافیہ تھا تنگ شجاعانِ عرب کا

اظہارِ نسب میں جو محمدؐ کا لیا نام　　سب پڑھنے لگے صل علیٰ صاحبِ اسلام
آگے جو بڑھے نامِ علیؑ لے کے وہ گلفام　　دل ہل گئے تھرانے لگا روم سے تا شام
جعفرؑ کا جو کچھ ذکر کیا بعد علیؑ کے
مجرے کو علم جھک گئے سب فوج شقی کے

آغاز تھا ذکر شرف حضرت شبیرؑ　　ڈنکے پہ ادھر چوب لگی چلنے لگے تیر
اس وقت بڑے بھائی نے کی چھوٹے سے تقریر　　تلوار علم کیجیے اب کس لیے تاخیر
کیجیے تو جدا ہو کے ستمگاروں میں جائیں
اسواروں میں ہم آپ کمانداروں میں جائیں

فرمایا بڑے بھائی نے ہنس کر نہیں بھائی　　تم جان ہو دشوار ہے دم بھر کی جدائی
ہو جاتی ہے اک آن میں ہر صف کی صفائی　　سر کرتے ہیں سب کو کسی ایسی ہے لڑائی
بازو ہوں قوی ہاتھ سے گر ہاتھ نہ چھوٹے
سر تن سے اتر جائے مگر ساتھ نہ چھوٹے

بابا کی طرح فوج پہ حملے کریں آؤ
تلواروں میں تن تن کے چلو برچھیاں کھاؤ
ان چھوٹے سے ہاتھوں کا ہمیں زور دکھاؤ
ہم سینہ سپر تم پہ ہوں تم ہم کو بچاؤ

ہم شیروں پہ رستم کا بھی منہ پڑ نہ سکے گا
جب دو ہوئے اک دل تو کوئی لڑ نہ سکے گا

چھوٹے نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو کہ بہتر
بس کھینچ لیے تیغے دونوں نے برابر
دو بجلیاں کوندیں کہ لرزنے لگا لشکر
نیزوں کے نیستاں میں در آئے وہ غضنفر

برابر کیا دم میں سواروں کو دبا کے
رہوار بھی اسوار تھے گھوڑوں پہ ہوا کے

موت آئی اُدھر تیغے دونوں جدھر آئے
جب ہاتھ بڑھا پاؤں پہ کٹ کٹ کے سر آئے
گر سینہ تلک آئے تو کبھی تا کمر آئے
خالی نہ پھرے جس پہ گئے خون میں بھر آئے

ہر تیغہ بجلی تھا ستمگاروں کے حق میں
ڈوبے ہوئے تھے دو مہِ نو خوں کے شفق میں

گھوڑے تھے چھلاوا کبھی یاں تھے کبھی واں تھے
بجلی میں تو بھرتے تھے پر آنکھوں سے نہاں تھے
یاں تھے جو سبک رو تو اُدھر گرمِ عناں تھے
مچھلی تھے کسی جا تو کہیں آبِ رواں تھے

ہو سکتی تھی مچھلی سے یہ سرعت نہ ہرن سے
جھونکے تھے ہوا کے جو نکل جاتے تھے رن سے

جمعیتِ لشکر کو پریشاں کیا دم میں
جو فوج کی جاں تھے انھیں بے جاں کیا دم میں
تلواروں سے جنگل کو نیستاں کیا دم میں
سر کاٹ کے خونخواروں کو غلطاں کیا دم میں

بے دست تھے ظالم کہ جو بے ایماں لیے تھے
بچوں نے جوانوں کے نشاں چھین لیے تھے

وہ چھوڑ کے تازی کو سواروں میں در آیا | دم بھر میں پیادوں کو یہ پامال کر آیا
جب شیر سا پہنچا وہ اُدھر یہ اِدھر آیا | جان آگئی جب بھائی کو بھائی نظر آیا
بچ بچ کے نکلتے تھے جو تیغوں کے تلے سے
اک بھائی لپٹ جاتا تھا بھائی کے گلے سے

کچھ بھائی سے بڑھ کر جو وغا کرتا تھا بھائی | بچ جانے کی بھائی کے دُعا کرتا تھا بھائی
حق بھائی کی الفت کا ادا کرتا تھا بھائی | ہر وار پہ بھائی کی ثنا کرتا تھا بھائی
تم سا نہیں صفدر کوئی واللہ برادر
کیا خوب لڑے سلمک اللہ برادر

کہتا تھا بڑے بھائی سے چھوٹا بصد آداب | بھائی میں بھگادوں ابھی ان کو جو ملے آب
اب پیاس کی گرمی سے کلیجے کو نہیں تاب | سینہ میں مرا دل نہیں آتش پہ ہے سیماب
ہم لوگ محق کیا نہیں اس آبِ رواں کے
تالو میں خلش ہوتی ہے کانٹوں سے زباں کے

کہتا تھا بڑا بھائی میں صدقے ترے گلفام | ہے خشک زبانوں کو بھلا پانی سے کیا کام
اب جلد اجل آئے تو کوثر کا پئیں جام | غش ہم کو بھی آجائے گا پانی کا نہ لو نام
آنکھیں تو ستمگاروں کی تیغوں سے لڑی ہیں
چپکے رہو اماں درِ خیمہ پہ کھڑی ہیں

ڈوبے ہوئے تھے شام کے جنگل میں یہ دو ماہ | پردے میں کھڑی تکتی تھی زینب سوئے جنگاہ
عباس سے کہتے تھے تڑپ کر شہِ ذیجاہ | اب مجھ سے جدا ہوتے ہیں دو شیر مرے آہ
کیونکر متحمل ہو دل اس رنج و محن کا
گھر لٹتا ہے بھائی مری نادار بہن کا

عباسؑ نے کی عرض کلیجا ہے دو پارا ان کو تو کسی کی نہیں امداد گوارا
زخمی ہوئے نہ مجھ کو نہ اکبرؑ کو پکارا جائے یہ غلام آپ جو فرمائیں اشارا
حضرت کی قسم دے کے میں سمجھاؤں گا ان کو
مچلیں گے تو گودی میں اٹھا لاؤں گا ان کو

حضرت نے کہا صاحبِ غیرت ہیں وہ دونوں لختِ جگرِ شاہِ ولایت ہیں وہ دونوں
ضرغامِ نیستانِ شجاعت ہیں وہ دونوں واللہ بڑے صاحبِ ہمت ہیں وہ دونوں
وہ لاکھ تو کیا ہیں جو کروڑوں میں گھریں گے
بے جان دیے وہ نہ پھرے ہیں نہ پھریں گے

بڑھنے لگے میداں کی طرف قاسمِ ذی جاہ اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ میں جاتا ہوں یا شاہ
ہے دونوں کی فرقت کا مجھے صدمۂ جانکاہ لاکھوں میں ہیں تنہا پھوپھی اماں کے پسر آہ
دیتے ہیں کہیں گر نہ پڑیں برچھیاں کھا کر
میں ساتھ انھیں لاتا ہوں اعدا کو بھگا کر

گھبرا کے درِ خیمہ سے زینبؑ یہ پکاری مر نکلیں یہیں نکلوں کی جو تم جاؤ گے واری
اولاد مجھے تم سے زیادہ نہیں پیاری تم جاؤ تو میں ان کی ہوں عاشق کہ تمہاری
میداں کی طرف قاسم سے کہو بھی نہ جائیں
تم دونوں میں جو بس دلاور بھی نہ جائیں

میداں میں ہے کیا اور بجز نیزہ و شمشیر مر جاؤں گی زخمی ہوئے گر قاسمِ دلگیر
دل کس کا ہے جو سہہ سکے گا جو کوئی تیر سمجھاؤں میں صدقے گئی کیوں تم نے یہ شبیر
باقی ہے اگر زیست تو پھر آئیں گے دونوں
غم کس لیے کیا ہوگا جو مر جائیں گے دونوں؟

بیٹوں سے ہوئی گر تو ہوئی آج جدائی   سر پر مرے دنیا میں سلامت ہیں بھائی
اک دولتِ اولاد لٹائی تو لٹائی   کیا لٹ گیا وہ کون سی ایسی تھی کمائی
کیوں روؤں میں دنیا میں جو دلبند نہیں ہیں
کیا اکبرؑ و اصغر مرے فرزند نہیں ہیں!

یہ ذکر ابھی تھا کہ ستمگار پکارے   لو شاہ کی ہمشیر کے بیٹے گئے مارے
ٹکڑے کیا معصوموں کو تلواروں کے مارے   وہ لوٹتے ہیں خاک پہ دو عرش کے تارے
پامالی کو ان دونوں کے اسوار بڑھیں گے
بچوں کے سر اب کٹ کے نشانوں پہ چڑھیں گے

یہ سنتے ہی تھرانے لگے حضرتِ عباسؑ   گھبرا کے اٹھے خاک سے شبیرؑ بصد یاس
سر کھولے ہوئے بیبیاں ڈیوڑھی کے تھیں پاس   سب نے کہا لو شہ کی بہن ہو گئی بے آس
ٹوٹا ہے فلک بنتِ شہنشاہِ نجفؑ پر
زینبؑ کو بٹھا دے گے بس اب ماتمی صف پر

ہے ہے کا جو اک شور ہوا رانڈوں میں برپا   زینبؑ بھی ہٹی چھوڑ کے دروازے کا پردا
چلائی ارے چپکی رہو غل ہے یہ کیسا   بھائی ہیں سلامت مجھے کیوں دیتی ہو پُرسا
ہے ہے نہ کرو ماں جو گھبرائیں گے شبیرؑ
پھر کون ہے زینبؑ کا جو مر جائیں گے شبیرؑ

باتیں یہ کہیں سب سے پہ سنبھلا نہ دلِ زار   تڑپا یہ کلیجہ کہ گری خاک پہ اک بار
واں لاشوں پہ روتے ہوئے پہنچے شہِ ابرار   مہماں کوئی ساعت کے تھے وہ جگر افگار
کس عمر میں ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے
گودی کے پلے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

ٹکڑے ہوا سینے میں دلِ سبطِ پیمبر ہے ہے کہا اور لاشوں سے لپٹے شہِ صفدر
چھوٹے سے بڑے نے یہ کہا ہوش میں آ کر بالیں پہ حضور آئے ہیں اُٹھو تو برادر
مشتاق تھے تم سیّدِ ذی جاہ کو دیکھو
مرتے ہوئے دیدارِ شہنشاہ کو دیکھو

سُن کر یہ صدا غش سے جو چونکا وہ دلِ افگار دونوں نے رکھا سر قدمِ شاہ پہ اک بار
اکبر سے یہ کی عرض کہ اے شاہ کے دلدار دشمن ہیں بہت قبلۂ عالم سے خبردار
ہم دونوں غلاموں کا نہ غم کھائیو بھائی
سر پیٹیں جو اماں انھیں سمجھائیو بھائی

یہ کہہ کے لگے ہچکیاں لینے وہ پیارے بس موت کے آثار نمایاں ہوئے سارے
سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ شبیرؑ پکارے ماموں سے بچھڑتے ہو میں قربان تمہارے
پھر کی نہ کوئی بات سفر کر گئے دونوں
آنسو تھے رواں آنکھوں سے اور مر گئے دونوں

شہادت حضرتِ قاسمؑ

جب حضرتِ زینبؑ کے پسر مر گئے دونوں
تھا شور کہ پیاسے لبِ کوثر گئے دونوں
چھوٹے تھے مگر نام بڑے کر گئے دونوں
دربارِ محمدؐ میں برابر گئے دونوں

زہراؑ کی طرح عاشقِ اولاد تھی زینبؑ
بیٹوں کا تو ماتم تھا مگر شاد تھی زینبؑ

دو بیٹوں کے مرنے کی یکایک خبر آئی
نہ روئی نہ ماتم کیا نہ خاک اڑائی
منہ سے نہ کہا یہ کہ لٹی کس کی کمائی
پوچھا تو یہ پوچھا کہ سلامت تو ہیں بھائی

یہ بھی نہ کہ دنیا سے یہ پیاسے گئے کس کے
یہ بھی نہ کہا لاڈلے مارے گئے کس کے

ان باتوں پہ زینبؑ کی حرم کرتے تھے ماتم
میداں میں مبارز طلبی کرتے تھے اظلم
کچھ مشورہ تھا اکبرؑ و عباسؑ میں باہم
قاسمؑ کا ارادہ تھا کہ لیں رن کی رضا ہم

پر شدتِ گریہ سے نہ یارا تھا سخن کا
منہ ماں کا کبھی تکتے تھے اور گاہ دلھن کا

مادر کا اشارا تھا کہ کیا قصد ہے واری
چپکے رہو گھونگھٹ میں دلھن کرتی ہے زاری
کہتا تھا پسر جان چچا سے نہیں یاری
پھر آپ سفارش کریں اب غم سے ہماری

اکبرؑ کو نہ شبیرؑ کہیں اذن وغا دیں
جی جائیں اگر یہ ہمیں مرنے کی رضا دیں

فق ہو گئی ماں سن کے یہ فرزند کی تقریر　　بانو سے کہا ہائے مرے بچے کی تقدیر
خاموش تھی گھونگھٹ میں دلھن صورت تصویر　　دولھا کا سخن سن کے کلیجہ پہ لگا تیر
چاہا کہ کہے کاش ہماری اجل آئے
کچھ منہ سے نہ نکلا مگر آنسو نکل آئے

دولھا نے جو دیکھا کہ دلھن غم سے ہے مضطر　　جلنے لگے سینہ پہ غم و درد کے خنجر
اک آہ بھری زرد ہوا چہرۂ انور　　جھک کر کہا زانو سے اٹھاؤ تو ذرا سر
للہ نہ روؤ تمہیں سمجھاتے ہیں صاحب
کچھ بات کرو مرنے کو ہم جاتے ہیں صاحب

ہم چھوڑ کے تنہا نہ تمہیں گھر سے نکلتے　　سائے کی طرح پاس سے اک آن نہ ٹلتے
اس گل سے کف پا سے سدا آنکھوں کو ملتے　　کیا کیجیے ہیں تیر چچا جان پہ چلتے
سو بار ہوں صدقے تو نہ حق انکے ادا ہوں
مظلوم کا پھر کون ہے گر ہم نہ فدا ہوں

انصاف کرو تم کہ عجب سخت گھڑی ہے　　عمو تو اکیلے ہیں ادھر فوج کھڑی ہے
دنیا میں کسی پر کبھی مصیبت یہ پڑی ہے　　دل پاس تمہارے ہے ادھر جان لڑی ہے
کیا جانیے کیا وقت اجل ہوئے گی مشکل
رخصت ہمیں اب دو گی تو حل ہوئے گی مشکل

اک جان ستم کش پہ عجب رنج و تعب ہے　　سنتا ہوں کہ عباس کو رخصت کی طلب ہے
ہاں پاس محبت ہے تو واں جائے ادب ہے　　فرقت بھی قیامت ہے نہ جانا بھی غضب ہے
ہوں کس سے جدا کس پہ تصدق کروں سر کو
الفت تو ادھر کھینچتی ہے موت ادھر کو

جس وقت سُنی درد کی تقریر یہ ساری تا دیر تو بولی نہ دلھن شرم کی ماری
دُولھا نے رکھا پاؤں پہ سر جب کئی باری آہستہ کہا آہ یہ تقدیر ہماری

سمجھی میں بس اب مجھ کو نہ بہلایئے صاحب
کیا زور مرا خیر چلے جایئے صاحب

ڈیوڑھی پہ یہ تقریر کھڑے سنتے تھے سرور عباسؑ سے فرمایا کہ اے جانِ برادر
قاسم سے بھی تو ہم کو جدا ہونا ہے متعذر ماندہ ہوتی ہے اک رات کی بیاہی ہوئی دختر

اب صبر ہو کیونکر دلِ مضطر کو ہمارے
بھائی کی بھی اولاد چلی گھر سے ہمارے

بس اتنے میں قدموں پہ گرا آن کے نوشاہ کی عرض کہ مرنے کی رضا دیجیے للہ
لپٹا کے گلے سے اُسے شبیر نے کی آہ فرمایا کہ رخصت ہے بڑا صدمہ ہے جانکاہ

پر خیر چچا بیکس و مجبور ہے بیٹا
جاؤ یہی اللہ کو منظور ہے بیٹا

دی رن کی رضا شاہ نے جب ابنِ حسنؑ کو اک عید ہوئی مرنے کی اس غنچہ دہن کو
خیمہ سے چلا تیغ بکف جب سے رن کو اعدا نے کہا دیکھ کے اس رشکِ چمن کو

نورِ حسنی چہرۂ زیبا سے عیاں ہے
ہم شوکت و شانِ اسد اللہ یہ جواں ہے

شمعِ حرمِ لم یزلی تھا قدِ بالا پایا یہ کہاں ماہِ دو ہفتہ نے اُجالا
شانے پہ کماں بر میں زرہ ہاتھ میں بھالا اک حُسن کی تصویر تھا وہ گیسوؤں والا

نقش کسی انساں کو اگر دے تو حق ایسا
عالم کے مرقع میں نہیں اک ورق ایسا

حیران تھا لشکر یہ ملک ہے کہ بشر ہے گیسو ہے کہ ہالہ ہے جبیں ہے کہ قمر ہے
یہ ابرووں کی بیت ہے یا حسن کا گھر ہے پلکیں ہیں کہ سر پنجۂ شہباز نظر ہے
یا دیدۂ آہو بھی نگاہوں سے گرے ہیں
آنکھیں ہیں کہ دو شیر نیستاں میں کھڑے ہیں

حسن حسنؑ و شانِ حسینی ہے نمودار کیا بیاہ کے جوڑے پہ بھلے لگتے ہیں ہتھیار
ہے دستِ حنائی میں عجب شان سے تلوار کرتی ہے زرہ خوبیٔ اندام کو اظہار
باندھا ہے کمر بند شہِ عقدہ کشا کا
عمامہ ہے سر پر حسنؑ سبز قبا کا

فانوس میں ہے شمع کہ ہے رخت بدن میں رخساروں پہ گیسو ہیں کہ ہے چاند گہن میں
ہر شخص کی آنکھوں کو چکا چوند ہے رن میں سہرے میں یہ چہرہ ہے کہ سورج ہے کرن میں
تڑپے گا وہ تربت میں جگر بند ہے جس کا
کیا گزرے گی اس ماں پہ یہ فرزند ہے جس کا

دریا کی طرح فوج کو جنبش ہوئی اک بار تیغوں کی اٹھی موج میانِ صفِ کفار
ڈھالوں کا ہوا ابرِ سیہ رن میں نمودار بدلی جو ہوا پڑنے لگی تیروں کی بوچھار
پہنچا وہ جری تیغ بکف اہلِ جفا میں
بجلی سی لگی کوندنے ڈھالوں کی گھٹا میں

اک برقِ اجل فوجِ ستمگار پہ آئی تیغ آئی کہ آفت سرِ کفار پہ آئی
عاری کیا اس کو بھی جو تلوار پہ آئی دو ہو گیا اسوار تو رہوار پہ آئی
راکب نہ گرا تھا ابھی شبرنگ کے نیچے
یہ زین کے اوپر سے گئی تنگ کے نیچے

نوشاہ نے پائی تھی عجب ہمتِ عالی حملہ کیا جس صف پہ وہ صف ہوگئی خالی
تلوار نے آفت سرِ کفار پہ ڈالی لڑنے کے لیے تیغ و سپر جس نے سنبھالی
تلوار کا آنا ہوا ثابت نہ زمیں پر
دو ٹکڑے نظر آئے برابر سرِ زمیں پر

اک حملے میں آخر ہوئی پہلے صفِ اول دو ہاتھ چلے تھے کہ ادھر پڑ گئی ہلچل
اعدا کا گھٹا زور پھٹا ڈھالوں کا بادل سر کٹ گئے یہ برچھیوں والوں کو ملا پھل
بھالے سے جو بچ کے ہٹے نہ دشمن کو پھرے تھے
اک نیزہ[۱] سر اُن لوگوں کے کٹ کٹ کے گرے تھے

سمجھے یہ کماندار کہ رُخ جنگ کے پھیرا چلائے کہ حلقے میں ہمیں موت نے گھیرا
تھا غیظ سے نوشاہ کی آنکھوں میں اندھیرا نعرہ تھا کہ ہاں وار کوئی روکے تو میرا
میں دست بقبضہ ہوں وہ جانباز کہاں ہیں
گوشوں سے تو نکلیں قدر انداز کہاں ہیں

تھا مضطر و حیران عمرِ سعدِ ستم گر پیہم یہ خبردار خبر دیتے تھے آ کر
سرداروں کے سر کٹ گئے پسپا ہوا لشکر دریا ملک آ پہنچا ہے تختِ دلِ خیبر[۲]
اس شیرِ غضبناک کو ٹوکا نہیں جاتا
سب کہتے ہیں بجلی کو تو روکا نہیں جاتا

کس طرح سے اس صاعقہ کردار کو روکیں کس ڈھال پہ شمشیر شرربار کو روکیں
سو بجلیاں گرتی ہیں گر اک وار کو روکیں تلوار کو روکیں کہ وہ رہوار کو روکیں
دونوں کا بدن آب اور آتش سے بنا ہے
اک برق جہندہ ہے تو اک سیل فنا ہے

لہ یعنی ایک نیزہ کے فاصلہ پر

گھبرا کے کہا اس نے کہ ازرق کو بلا لا   آیا وہ جفا کار سنبھالے ہوئے بھالا
بولا یہ عمر ہو گیا لشکر تہ و بالا   گھوڑے کو مگر تو نے پرے سے نہ نکالا
جا کر کوئی اس صفدر و جرار کو مارے
نزدیک ہے آ کر کسی سردار کو مارے

ہر سال تجھے ملتا ہے اسپ و زر و انعام   سردار کے کام آ کہ شجاعوں کا یہ ہے کام
شہرہ تری شمشیر کا ہے روم سے تا شام   دولھا کو مٹا دے تو بڑا ہوگا ترا نام
شورِ آب و دمِ تیغ کا اس کے لبِ جو ہے
گر یاں تلک آیا تو نہ پھر میں ہوں نہ تو ہے

یوں کہنے لگا چیں بجبیں ہو کے وہ مغرور   لڑکے سے لڑوں میں یہ تری عقل سے ہے دور
اس فوج میں تو گو کہ حکومت پہ ہے مامور   یہ ننگ کسی طرح نہ ہوگا مجھے منظور
مارا ہے ہزاروں کو مری دھاک ہے سب میں
ہو جاؤں گا بدنام شجاعانِ عرب میں

مجھ سا نہیں عالم میں کوئی اور جواں مرد   ہوں رستم و سہراب و نریماں کا ہم آورد
جلادِ فلک کا ہے مرے خوف سے منہ زرد   چمکوں جو میداں میں زمیں سے نہ اٹھے گرد
پھٹ جائے کلیجہ جو سناں گیو کو ماروں
سر پر ہو اگر گرزِ گراں دیو کو ماروں

تابندہ ہو رستم مرے آگے یہ نہیں تاب   پنجے سے جو پکڑوں نہ چھٹے گردنِ سہراب
چھیدوں دلِ ارجن جو کروں تیر کو پرتاب   تلوار جو کھینچوں تو جگر خیبر کا ہو آب
اس طفل سے کیا جنگ کا آہنگ کروں میں
میداں میں حسینؑ آئیں تو ہاں جنگ کروں میں

بولا پسر سعد کہ اس طفل کو پہچان — شبر کا یہ فرزند ہے لڑکا نہ اسے جان
رہتا ہے لڑکپن سے انھیں جنگ کا ارمان — جانباز ہیں مر کر بھی نہیں چھوڑتے میدان
جب تیغ کھنچی ان کی تو سر تن سے جدا ہے
یہ ہاشمی و مطلبی قہر خدا ہیں

سرکش کو قدم آگے بڑھانے نہیں دیتے — سوفار کو چلّے سے ملانے نہیں دیتے
لڑنے میں سپر چہرے پہ لانے نہیں دیتے — بھاگے تو کہیں بھاگ کے جانے نہیں دیتے
یوں آتے ہیں دشمن پہ یہ گھوڑے کو ڈپٹ کر
شیر آتا ہے جس طرح سے آہو پہ جھپٹ کر

ازرق نے کہا گرچہ تری راست ہے گفتار — پر میں تو نہ لڑکے پہ کبھی کھینچوں گا تلوار
قتل اس کا ہے منظور تو ہیں میرے پسر چار — روئیں تن و زور آور و نامآور و جرّار
ماہر ہے ہر اک میری طرح جنگ کے فن کا
سر کاٹ کے لے آئیں گے فرزند حسن کا

یہ کہہ کے بڑے بیٹے سے ظالم نے کہا جا — ہاں تیغ سے اس طفل کا سر کاٹ کے لے آ
تو زور میں بے مثل شجاعت میں ہے یکتا — یہ سن کے جفا جو نے لیا ہاتھ میں نیزا
جولاں کیا گھوڑے کو پرے سے جو نکل کے
بھاگے جو تھے بولے کہ چلا منہ میں اجل کے

نیزے کا ستمگار نے آتے ہی کیا وار — قاسم نے اسے رد کر کے پکارے کہ خبردار
پھر گھوڑے کو چمکا کے جو آیا وہ جفاکار — بجلی سی ادھر سے بھی چلی تیغ شرربار
رد کر کے ظالم کبھی یاں تھی کبھی واں تھی
نیزے کو جو دیکھا تو نہ بوڑی نہ سناں تھی

تلوار کا ظالم نے کیا وار جھپٹ کر خالی دیا اُس وار کو نوشاہ نے ہٹ کر
دولھا نے جو حربہ کیا گھوڑے کو ڈپٹ کر دستانے بھی ساعد بھی گرے تیغ سے کٹ کر
نے تیغ نہ پنجہ نہ کلائی نظر آئی
اک ہاتھ میں ہاتھوں کی صفائی نظر آئی

سر پر سے گرا خود ہٹا وہ جو جھجک کر متھے بال پڑے کھل کے چہرہ پہ لٹک کر
قاسم نے پیٹا اُسے پینچے میں لپک کر سر سے ہٹا اونچا تو دیا گھوڑے پہ چکّر
سمجھا تھا وہ کچھ چرخ نے کچھ اور دکھایا
گردش نے زمانے کی نیا دور دکھایا

ازرق کو زمانہ تہ و بالا نظر آیا دل چشمِ ستمگار میں کالا نظر آیا
سب کو رخِ قاسم کا اُجالا نظر آیا یہ چاند نظر آئے وہ ہالا نظر آیا
حیران تھے قوّت پہ ملک ابنِ حسنؑ کی
اس زور سے پٹکا کہ زمیں ہل گئی رن کی

اک بھائی کے مرتے ہی بڑھا دوسرا بھائی اُس نے بھی لڑائی میں بہت جان لڑائی
مہلت نہ مگر ہاتھ سے نوشاہ کے پائی مارا وہ اُدھر سے کہ اِدھر سے اجل آئی
ڈھونڈا کیے قاسم بھی کہ کیا ہو گیا دشمن
اک برق سی چمکی کہ فنا ہو گیا دشمن

فرزندِ سوم فوج سے نکلا صفتِ شیر تھا بھائیوں کے غم سے جہاں آنکھوں میں اندھیر
دولھا سے یہیں ردّ و بدل تیروں کی تا دیر تھا گرچہ زبردست پہ قاسم نے کیا زیر
وار اپنا یہ کرتے تھے جو وار اپنا بچا کر
رہ جاتا تھا غصے سے وہ ہونٹوں کو چبا کر

لب پر جو اُدھر بے ادبانہ سخن آیا — سنتے ہی ادھر غیظ میں ابنِ حسن آیا
اس وقت کوئی توسنِ ظالم کو بن آیا — بالائے دہاں نیزۂ دنداں شکن آیا
جاں بہرِ سفرِ تن کی سرا سے نکل آئی
نیزے میں زباں چھد کے قفا سے نکل آئی

نیزے کو دبایا تو فرس سے ابھر آیا — سیدھا کیا جو ہاتھ تو بالائے سر آیا
مچھلی سا پھر بھر میں تڑپتا نظر آیا — قاسمؑ نے کہا نخلِ وغا میں ثمر آیا
تلوار کو امت کے جو سردار پہ کھینچا
خلاقِ دوعالم نے اسے دار پہ کھینچا

پھر حملے کی طرف دیکھ کے قاسمؑ یہ پکارے — تو آکہ وہ تینوں تو جہنم کو سدھارے
تلوار علم کرکے چلا طیش کے مارے — تھے ڈھنگ اُدھر جنگ کے یداللہ کے سارے
فرصت بھی نہ حربے کی ملی دشمنِ دیں کو
اک ضرب میں دو کرکے کیا چار لعیں کو

چاروں پسرِ ازرق کو نظر آئے جو بے دم — اک آگ عناصر میں بھڑکنے لگی اس دم
طاری ہوا غصہ نہ ملی فرصتِ ماتم — باندھا کمرِ نحس کو زنجیر سے محکم
بیٹے ہوئے سر بر جو نہ قتالِ عرب سے
آنکھیں ہوئیں دو کاسۂ خوں جوشِ غضب سے

آیا وہ ستمگار سجے اسلحۂ تن پر — شانے پہ کماں رخ پہ جھلم فرق پہ مغفر
ترکش بھی دہن کھولے ہوئے صورتِ اژدر — بر میں تو زرہ اور کمرِ نحس میں خنجر
کف غیظ سے منہ میں سخن سخت زباں پر
اک ہاتھ تو شمشیر پہ اور ایک عناں پر

نیزہ صفت مار زباں منہ سے نکالے
ترکش تھا کہ بانبی میں نظر آتے تھے کالے
تلوار کا منہ ایسا کہ فولاد کو کھالے
ڈھال ایسی کہ جو کوہ کے دامن کو چھپالے
گرز ایسا فلک خاک کا پیوند ہو جس سے
چار آئینہ وہ تیغ کا منہ بند ہو جس سے

چنگھاڑ کے رن میں صفتِ دیو پکارا
کس شخص نے بیٹوں کو مرے جان سے مارا
قاسمؑ نے صدا دی کہ یہ ہے کام ہمارا
الفت ہو جو بیٹوں کی تو ہو معرکہ آرا
ان بازوؤں میں زور ہے خالق کے ولی کا
تو ارزقِ شامی ہے، میں پوتا ہوں علیؑ کا

پُرکار سے میدان میں پھرنے لگے مرکب
رد کر دیا نوشاہ نے وار اُس نے کیا جب
بندھتا تھا کوئی بند نہ بنتا تھا کوئی ڈھب
جرأت میں یداللہ یہ تھے اور وہ مرحب
اُٹھتے تھے تتق گرد کے میدانِ بلا میں
چنگاریاں اُڑتی تھیں سنانوں سے ہوا میں

نیزوں کی ہوئی ردّ و بدل ان میں برابر
تھک تھک گئے پلٹا نہ ہٹا وہ نہ یہ سرور
گھوڑے بھی ہنکتے تھے لہو سے پسینے میں تھے تر
تھے غیظ میں نوشاہ تو غصے میں ستمگر
وہ گونجتا تھا شیر کے مانند اُدھر سے
یاں یا اسد اللہ کے نعرے تھے جگر سے

قاسمؑ پہ اٹھاتا تھا وہ جب نیزۂ خونخوار
گرتے تھے کلیجے کو پکڑ کر شہِ ابرار
لُٹتے تھے سنبھل کر تو یہ چلاتے تھے سرورؑ
عمو ترے قربان مری جان خبردار
طاقت تو نہ ہوگی تمھیں تشنہ دہنی سے
سینے کو بچائے رہو نیزے کی انی سے

نیزے سے تھے کہ دو مار نکالے تھے زبانیں — جن سے نہ بچیں رستم و سہراب کی جانیں
حملے تھے کہ شانوں سے نہ سر کی تھیں کمانیں — اڑ اڑ کے گریں خاک پہ نیزوں کی سنانیں
تھی زد جو کڑی ٹوٹ گئیں ڈانڈیاں بھی لڑ کر
غصے سے مقابل ہوئے تیغوں کو پکڑ کر

قاسمؑ کی طرف بڑھ کے لگا کہنے وہ بے پیر — مشہور ہے دستِ ملک الموت یہ شمشیر
خالی گئے گو نیزہ و گرز و تبر و تیر — اے طفلِ حسنؑ اب نہ بچے گا کسی تدبیر
دو ٹکڑے کروں گا تجھے کیا ہے جہاں ہوں
تو مور سے کمزور ہے میں پیلِ دماں ہوں

قاسمؑ نے کہا تول کے شمشیرِ دو دستی — اک دم میں نہ یہ زور رہے گا نہ یہ مستی
پہنچائے گی دوزخ میں تجھے کفر پرستی — دیکھیں کسے ہو آج بلندی کسے پستی
حاکم جو اُدھر ہے تو اِدھر شاہِ نجف ہے
شیطاں ترا حامی ہے خدا میری طرف ہے

بل کھا کے ستمگار نے غصے سے کہا ہاں — قاسمؑ نے کہا آ یہی گو ہے یہی میداں
بولا یہ اٹھا تیغ کو وہ دشمنِ ایماں — لے وار مرا روک تو اے کودکِ ناداں
تھی پاس سپر بھی پہ نہ اس وار کو روکا
تو شاہ نے تلوار پہ تلوار کو روکا

چمکا کے وہی تیغ جو دشمن کو دکھائی — بچنے کی بھی مہلت نہ ستمگار نے پائی
اک برق سی آنکھوں میں چمکتی نظر آئی — ظالم نے سپر سر کے بچانے کو اٹھائی
احسنت کا غل فوج کے انبوہ سے اٹھا
معلوم ہوا ابرِ سیہ کوہ سے اٹھا

یاں سر پہ چمک کر جو وہ برقِ اجل آئی
شکلِ غضبِ خالقِ عزّ و جل آئی
گردن سے جو برچھی گئی زیرِ بغل آئی
کھینچا جو بغل سے تو کمر سے نکل آئی
پہلے تو سلامت ستم آرا نظر آیا
گھوڑے سے گرا جب تو دو پارا نظر آیا

بجلی سی اٹھی تنگ کے نیچے سے جو شمشیر
للکار کے قاسم نے کیا نعرۂ تکبیر
یاں خاک پہ سجدے کیلئے جھک گئے شبیر
شادی سے ہوا سرخ رخِ اکبرِ دلگیر
دی بڑھ کے صدا فوج کو عباسِ علیؑ نے
کیوں کیا ہوا اس وار کو روکا نہ کسی نے

سچ کہتے ہیں ہے شادی و غم خلق میں توام
معلوم نہ تھا یہ کہ بچھے گی صفِ ماتم
دولہا پہ ادھر ٹوٹ پڑا لشکرِ اظلم
تیغوں میں گھرے برچھیاں چلنے لگیں پیہم
تیر آتے تھے سینے پہ کلیجے پہ جبیں پر
کٹ کٹ کے گرے بیچ عمامے کے زمیں پر

زخموں کا لگا خون رکابوں سے ٹپکنے
طاقت گئی لڑنے کی لگا ہاتھ بہکنے
پانی کے لیے تن میں لگی روح پھڑکنے
مڑ مڑ کے سوئے خیمہ لگے یاس سے تکنے
سینے پہ سناں گرز لگا کاسۂ سر پر
تیورا کے جھکے تھے کہ پڑی تیغ کمر پر

عمو کو صدا دی کہ چچا جان خبر لو
ہوتا ہے غلام آپ پہ قربان خبر لو
دنیا میں کوئی دم کا ہوں مہمان خبر لو
تکلیف نہ دیتا مگر اس آن خبر لو
ذریتِ حیدرؑ کی یہ توقیر ہوئی ہے
پامال ہمیں کرنے کی تدبیر ہوئی ہے

اعدا کو بھگا کر جو گئے ڈھونڈنے سرور   پامال ملے قاسمؑ نوشاہ سراسر
گودی کا پلا پاؤں رگڑتا تھا زمیں پر   رو کر پسرِ فاطمہؑ نے پیٹ لیا سر
دیکھا جو حسنؑ کو تنِ صد پاش سے لپٹے
چلائے حسینؑ ابنِ علیؑ لاش سے لپٹے

شہادتِ حضرت عباسؑ

جب لاشۂ قاسم کو علمدار نے دیکھا
قبضہ کی طرف غیظ سے جرار نے دیکھا
منہ بھائی کا رو کر شہِ ابرار نے دیکھا
کی عرض بڑا داغ نمک خوار نے دیکھا
تیغوں سے عجب سروِ رواں کٹ گیا آقا
واللہ کہ دل زیست سے اب ہٹ گیا آقا

بے چین کیا دل کو غمِ راحتِ جاں نے
کیا پائی ہے تکلیف سہی غنچہ دہاں نے
دنیا سے کیا کوچ عجب سروِ رواں نے
لوٹا یہ چمن فصلِ بہاری میں خزاں نے
ہم خلق سے پہلے نہ سفر کر گئے افسوس
جینے کے جو قابل تھے وہ کیوں مر گئے افسوس

کیا کیا پورشِ فوجِ ستم دیکھ رہے ہیں
کن تازہ نہالوں کو قلم دیکھ رہے ہیں
دل کو تہِ شمشیر دو دم دیکھ رہے ہیں
یہ ظلم ہے اور آنکھوں سے ہم دیکھ رہے ہیں
کس طرح نہ سینے میں اُلٹ جائے کلیجا
پتھر پہ یہ صدمہ ہو تو پھٹ جائے کلیجا

مولا ستمِ لشکر شر کہہ نہیں سکتے
تلواروں سے کٹتا ہے جگر کہہ نہیں سکتے
دل غم سے لہو ہو گیا پر کہہ نہیں سکتے
خوں آنکھوں میں اُترا ہے مگر کہہ نہیں سکتے
دنیا غمِ نوشاہ میں اندھیر ہوئی ہے
کیا جانے مرے مرنے میں کیوں دیر ہوئی ہے

یاد آتی ہے بھائی کی وصیت مجھے ہر بار	قدموں سے دمِ مرگ جو لپٹا تھا یہ غم خوار
فرمایا تھا خادم سے برادر نے بہ تکرار	عباسؑ دلاور مرے قاسمؑ سے خبردار
جو اس پہ بلا آئے وہ رد کیجیو بھائی
ہر دکھ میں بھتیجے کی مدد کیجیو بھائی

تلوار چلی دل پہ بھتیجے کے الم سے	ٹپکا کیا چہرے پہ لہو دیدۂ نم سے
کچھ بس نہ چلا حکمِ شہنشاہ و امم سے	دیکھا کیے کیا خوب حفاظت ہوئی ہم سے
قاسمؑ کے عوض تیر و سناں کھا نہ سکے ہم
پامال بھتیجا ہوا اور جا نہ سکے ہم!

ناگاہ یہ میداں سے پکارے کئی گمراہ	شاید کہ ہوئی ختم سپاہِ شہِ ذیجاہ
نعرہ کیا اکبرؑ نے مثالِ اسد اللہ	باقی ابھی دو شیر ہیں اے لشکرِ روباہ
تولے ہوئے شمشیر دو دم آتے ہیں رن میں
ہشیار کہ اب جنگ کو ہم آتے ہیں رن میں

سر دینے کو آئے گا مرے بعد وہ جرار	جو لشکرِ اللہ و نبیؐ کا ہے علمدار
بازوئے شہِ دیں خلفِ حیدرِ کرارؓ	کونین میں مشہور ہے جس شیر کی تلوار
وہ سیلِ فنا خوں میں ڈبو جائیگی سب کو
حیدرؑ کی لڑائی نظر آ جائے گی سب کو

یہ سنتے ہی گھبرا گئے عباسؑ خوش اطوار	سمجھے کہ چلا مرنے کو شبیرؑ کا دلدار
شبیرؑ کے قدموں پہ گرے آن کے یکبار	حضرت نے کہا کیا ہے ارادہ مرے غمخوار
کی عرض کہ جینے سے دل اب سیر ہے آقا
خادم کی سرافرازی میں کیا دیر ہے آقا

شہزادۂ عالم کی سُنی آپ نے تقریر — ہے پہلے علمدار سے مرجانے کی تدبیر
میں ذبح ہوا جاتا ہوں بے خنجر و شمشیر — للہ انھیں روکیے یا حضرتِ شبیرؑ
موقع نہیں مرنے کا ابھی ان کے لیے ہے
آقا یہ غلام آپ کا کس دن کے لیے ہے

میداں میں یہ مرنے کیلئے جائیں میں دیکھوں — تیغ و تبر و تیر و سناں کھائیں میں دیکھوں
مقتل سے انھیں آپ اٹھا لائیں میں دیکھوں — شہزادیاں خیمے سے نکل آئیں میں دیکھوں
آقا کی سپر کو کوئی یوں کھو نہ سکے گا
یہ صبر تو خادم سے کبھی ہو نہ سکے گا!

شہ بولے نہیں شاق ہے دونوں کی جدائی — گر ایک بھی بچھڑا تو ہماری اجل آئی
پاؤں گا کہاں تم نے اگر جان گنوائی — فرزند تو ممکن ہے پہ ملتا نہیں بھائی
اصغر سے اگر اکبرِ مہرو نہ ملے گا
تم ہاتھ سے جاؤ گے تو بازو نہ ملے گا

جس دن سے حسنؑ گلشنِ ہستی سے سدھارے — واللہ کہ جینے کے مزے اُٹھ گئے سارے
جب تم کو جواں حق نے کیا اے مرے پیارے — زور آگیا ٹوٹے ہوئے بازو میں ہمارے
قوت تمھیں دل کی تمھیں طاقت ہو جگر کی
کیونکر تمھیں کھو دُوں کہ نشانی ہو پدر کی

ہوتا ہے بڑا بھائی کو بھائی سے سہارا — بھائی بھی وہ بیٹوں سے زیادہ جو ہو پیارا
چھوڑا نہیں تم نے تو کبھی ساتھ ہمارا — تکلیف کرو چند نفس اور گوارا
گھبراؤ نہ دنیا سے سفر ساتھ کریں گے
بچپن سے سدا ساتھ رہے ساتھ مریں گے

سر دینے کی اکبرؑ کو جو عجلت ہے تو جائیں — ہم خوش ہیں بھلا جا کے رضا ماں سے تو لائیں
گر اُن کو گوارا ہو تو زینبؑ کو رولائیں — جنت میں پہنچ کر کہیں راحت بھی تو پائیں
دو دن سے مرے ساتھ گرفتارِ محن ہیں
اب ان کو نہ روکو کہ بہت تشنہ دہن ہیں

سُن کر یہ سخن رونے لگے حضرتِ عباسؑ — کی عرض کہ خیر اب ہمیں رخصت سے ہوئی یاس
پیچھے وہ لیے ہے ہوئے علَم فوج کا جس پاس — تقدیر کرے یوں نہ کسی شخص کو بے آس
بابا سے ندامت مری قسمت میں لکھی ہے
زہراؑ سے خجالت مری قسمت میں لکھی ہے

فرمائیں گی عباسؑ نے جان اپنی بچائی — یہ کون کہے گا کہ رضا ان کی نہ پائی!
جو آپ کی مرضی ہوا کیا زور ہے بھائی — اچھا علی اکبرؑ کی بھی دیکھیں گے جدائی
جینے کی تو اب دل سے خوشی فوت ہے آقا
یہ زیست نہیں میرے لیے موت ہے آقا

تکرار کروں آپ سے یہ کیا مری طاقت — غیروں نے کیا ہے ادا حق رفاقت
ہاں سچ بھی ہے اے گوہرِ دریائے صداقت — اعدا سے نہیں جنگ کی ہے مجھ کو لیاقت
حاضر ہے یہ شمشیر دو دم بھی انھیں دیجیے
رخصت جنھیں ملتی ہے علَم بھی انھیں دیجیے

مطلب نہ علَم سے ہے نہ شمشیر سے کچھ کام — اب ہے نجف اور گریہ و زاری سحر و شام
لشکر کا نشاں پا کے بھی قسمت میں نہ تھا نام — افسوس وہ آغاز ہوا اور یہ انجام
قسمت ہی بُری ہے نہیں تقصیر کسی کی
یوں بن کے بگڑ جائے نہ تقدیر کسی کی

یہ کہتے ہی عباسؑ پہ رقت ہوئی طاری — اشک آنکھوں سے برسے صفتِ ابرِ بہاری
گھبرا کے کہا شاہ نے کیوں کرتے ہو زاری — اچھا وہی ہووے گا جو مرضی ہے تمہاری
آزردہ نہ ہو منہ سے بس اب کچھ نہ کہیں گے
تم جس میں خوشی خیر ہیں داغ سہیں گے

یہ کہہ کے سوئے خیمہ چلے مڑتے ہوئے شاہ — عباسؑ بھی تھے قبلۂ کونین کے ہمراہ
فضہ نے کہا زینبؑ دلگیر سے ناگاہ — میدان سے آتے ہیں ادھر سیدِ ذیجاہ
ہے ریش بھی تر اشکوں سے رخسار بھی نم ہے
رومال ہے آنکھوں پہ کمر ضعف سے خم ہے

زینبؑ نے کہا خیر کرے خالقِ اکبر — ہے اور کوئی ساتھ کہ تنہا ہیں برادر
فضہ نے کہا پیچھے ہیں عباسؑ دلاور — فرمایا میں سمجھی سببِ گریۂ سرور
رونا نہیں بے وجہ جگر بندِ نبیؐ کا
ساماں یہ ہے رخصتِ عباسِ علیؑ کا

یہ سن کے اڑا رنگ رخِ آلِ پیمبر — بانوئے علی اکبرؑ کے لیے ہو گئی مضطر
یوں کہنے لگی زوجۂ عباسؑ دلاور — کیوں خیر تو ہے کیا ہوا اے شاہ کی دختر
بولی کہ کہوں تمہیں حال مرا غیر ہے بی بی
کھل جائے گا جو ہووے گا ہاں خیر ہے بی بی

یہ کہہ کے چلی جانبِ در شاہ کی ہمشیر — داخل ہوئے ڈیوڑھی میں ادھر حضرت شبیرؑ
دیکھی جو نہ تھی دیر سے وہ چاند سی تصویر — کس شوق سے آئی وہ قریبِ شہِ دلگیر
اک ہاتھ سے لیں سبطِ پیمبر کی بلائیں
اک ہاتھ سے عباسِ دلاور کی بلائیں

خوش ہو کے دعا کرتی تھی وہ شاہ کی شیدا　　جوڑی یہ سلامت رہے اے خالقِ یکتا
فرمانے لگے رو کے شہِ یثرب و بطحا　　بس آج تلک ساتھ تھا اب ہوتے ہیں تنہا
یہ روتے ہیں جوں جوں انھیں سمجھاتے ہیں بھینا
بھائی تو ہمیں چھوڑ چلے جاتے ہیں بھینا

بچوں کا نہ صدمہ ہے نہ رونے کا ہے غم　　مل جائے رضا ان کی تقاضا ہے یہ ہر دم
سمجھاؤ تمھیں کچھ انھیں اے ثانیِ مریم　　مر جائے گا جا بھائی تو جینے کے نہیں ہم
یہ غیظ میں رکتے نہیں روکے سے کسی کے
کہتے ہیں چلا جاؤں گا روضہ پہ علیؑ کے

یہ سنتے ہی گھبرا گئی وہ شاہ کی شیدا　　بولی کہ نہ بھائی یہ کبھی ان سے نہ ہوگا
ہے درپئے آزار و جفا لشکرِ اعدا　　اس وقت میں بھائی تمھیں چھوڑیں گے تنہا
حجت انھیں کچھ جانے نہ جانے میں نہیں ہے
ایسا تو وفادار زمانے میں نہیں ہے

دے سب کو خدا خلق میں اس طرح کا بھائی　　جرار، وفادار، مددگار، فدائی
غصہ ہے انھیں یہ کہ اجازت نہیں پائی　　کیا سہل ہے آغوش کے پالے کی جدائی
تھوڑے ہی الم اور یہ غم کھانے نہ دوں گی
رخصت بھی جو دیں آپ تو میں جانے نہ دوں گی

ساتھ ان کے اگر آج نہیں مادرِ غمخوار　　پالا ہے انھیں گود میں کیا میں نہیں حقدار
ہر وقت یہ ہیں آپ کی رحمت کے طلبگار　　میں ان سے نہ بگڑوں جو انھیں جانے میں تکرار
جو ہوتا ہے ارشاد بجا لاتے ہیں عباسؑ
کیوں آپ ہی بیتاب کہاں جاتے ہیں عباسؑ

حضرت نے اشارا کیا تم بھائی کو سمجھاؤ — زینبؑ نے کہا آؤ میں قرباں گئی آؤ
لے جاکے الگ بولیں کہ بھائی کو نہ رلواؤ — تم کو سرِ زینبؑ کی قسم ہے جو کہیں جاؤ
تم پاس نہ ہو گے تو کدھر جائیں گے شبیر
ہتھیار تو رکھو نہیں مر جائیں گے شبیرؑ

عباسؑ نے رو کر کہا اے ثانیٔ زہراؑ — مرجانے میں عزت ہے نہ جاؤں تو کروں کیا
سر دینے کو میداں میں چلے تھے شہِ والا — رکتے نہ جو میں پاؤں پہ آقا کے نہ گرتا
مرجانے سے میرے کوئی برباد نہ ہوگا
شبیرؑ نہ ہوں گے تو گھر آباد نہ ہوگا

خادم نے اگر آپ کے ارشاد کو مانا — فرمائیے پھر کیا کہے گا مجھ کو زمانا
نہ دیں میں توقیر نہ دنیا میں ٹھکانا — جانا مرا بہتر ہے کہ شبیرؑ کا جانا
جو اعدا کے سر جسم پہ محسن کے بچے ہیں
اچھا جنھیں پالا ہے وہ کس دن کے لیے ہیں

آ کے مرے گر قتل ہوئے حضرتِ شبیرؑ — صورت مری پھر آپ کبھی دیکھیں گی ہمشیر
حضرت کا تو کیا ذکر ہے اے خواہرِ دلگیر — مرجاؤں میں اکبر پہ جو ٹوٹے کوئی شمشیر
اس گھر کی غلامی مجھے منظورِ نظر ہے
وہ بھی مرا آقا ہے کہ آقا کا پسر ہے

روکو نہ مجھے سیدِ ابرار کا صدقہ — سر دینے دو کونین کے سردار کا صدقہ
کچھ سعی کرو حیدرِ کرارؑ کا صدقہ — دلوا دو رضا احمدِ مختارؐ کا صدقہ
میداں میں بڑی بے ادبی کرتے ہیں اعدا
اکبرؑ سے مبارز طلبی کرتے ہیں اعدا

کچھ سوچ کے زینبؑ نے کہا اے متعدد   دلوا دوں رضا بھائی سے میں بھائی کو کیونکر
یاں ان کا یہ اصرار ہے واں سوتے ہیں سرور   جینے کے نہیں جب سے راضی بھی ہوئے گر
سمجھانے کو بھیجا ہے مجھے شاہِ زمن نے
فرمائیں گے کھو یا مرے بھائی کو بہن نے

ہاں رخصتِ اکبرؑ ہو تو ہو اُن کو گوارا   فرزند اُنھیں تم سے زیادہ نہیں پیارا
اک دم بھی جدا ہونے کا جی کو نہیں یارا   کیونکر کہوں وہ داغ اٹھائیں گے تمھارا
اوّل تو یقیں ہے کہ نہ اقبال کریں گے
مانا بھی تو کیا جانیے کیا حال کریں گے

یہ کہہ کے گئی شہ کے قریں زینبؑ بے پر   عباسؑ بھی ہمراہ تھے منھ ڈالے ہوئے سر
حضرت نے اشارہ کیا کیوں کیا ہوا خواہر   کی عرض نہیں مانتے عباسؑ دلاور
منظور ہے صدقے ہوں شہنشاہِ امم پر
سمجھاتی ہوں جب میں تو یہ گر تے ہیں قدم پر

روتے ہیں کہ ہم خیمے میں اب ہوتا ہوں محجوب   معلوم ہوا یہ نہ رکیں گے کسی اسلوب
خیراب وہی کیجیے کہ جو کچھ انکو ہے مطلوب   حضرت نے کہا سن کے بہت خوب بہت خوب
تنہائی کا غم کچھ نہیں راضی بہ رضا ہیں
بندے کے تو سب امر محوّل بخدا ہیں

خیمے میں ہوا غل کہ چلے حضرتِ عباسؑ   سب بولے کہ لو اور بھی مر رہ گئے بے آس
گھبرا کے سکینہؑ نے کہا تب یہ بصد یاس   کیا کہتی ہو تم مجھ کو تو جانے دو چچا پاس!
منہ اشتے وہ مرویں گے نہ مانوں گی کبھی میں
تم تو مجھے چھوڑیں گے نہ مانوں گی کبھی میں

میں جیتی ہوں کیا ایسا چلا جاتا ہے آسماں　　دامن جو چھڑائیں تو کروں چاک گریباں
عباسؑ کی زوجہ نے کہا سچ ہے میں قرباں　　جائیں کبھی ایسے نہیں بی بی کے چچا جاں
کیا جانیئے واں شور ہے کیا ہوتے ہیں بی بی
پر کچھ نہ کچھ ایسا ہے کہ سب روتے ہیں بی بی

یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی شاہ کی جائی　　رستے میں کہیں گر پڑی ٹھوکر کہیں کھائی
سرکاتی ہوئی بھیڑ کو اس وقت وہ آئی　　جس وقت کہ ملتا تھا گلے بھائی سے بھائی
چلائی کہ سمجھی میں جہاں چھپ کے چلے تھے
آتی ہوں بھلا مجھ سے کہاں چھپ کے چلے تھے

بتلائیے جاتی ہے کدھر آج سواری　　اس پیاس میں لی واہ خبر خوب ہماری
دم گھٹتا ہے بولو تو چچا جان میں واری　　کیوں تم سے گلے مل کے پدر کرتے ہیں زاری
بر میں ہے زرہ تیغ لگائی ہے کمر سے
ہوتے ہو جدا کیا مرے مظلوم پدر سے

عباسؑ پکارے میں اس آواز کے قرباں　　ہم جاتے ہیں پانی کے لیے آؤ مری جاں
دامن سے لپٹ کر یہ لگی کہنے وہ ناداں　　میں گھر سے تمہیں جانے نہ دوں گی کسی عنواں
بابا کا مرے کوئی مددگار نہیں ہے
صدقے گئی پانی مجھے درکار نہیں ہے

پانی کے لیے واہ تمہیں ہاتھ سے کھوؤں　　میں قبلۂ کونین کی دولت کو ڈبوؤں
شب ہوئے تو پھر کس کی بھلا چھاتی پہ سوؤں　　اب روتی ہوں پانی کیلئے پھر تمہیں روؤں
ہے ہے شہ بیکس کا رلاتا نہیں اچھا
جاؤ ابھی سب پر آپ کا جانا نہیں اچھا

عباسؑ نے فرمایا کہ تم مشک تو لاؤ | بولیں گے نہ پھر ہم یہ نہ کہنا کہ نہ جاؤ
قرباں میں کیوں پیاس کی تکلیف اٹھاؤ | تم بھی پیو اصغرؑ کو بھی چچا تو سے پلاؤ

نیلے ہیں یہ لب رنگ نہ کیوں زرد ہو میرا
تم پیاس بجھاؤ تو جگر سرد ہو میرا

کہنے لگی منہ دیکھ کے بابا کا وہ دلگیر | کیا کہتے ہیں سنتے ہو چچا جان کی تقریر
حضرت نے کہا یہ نہ رکیں گے کسی تدبیر | اب مشک بھی لا دو انھیں جو خواہش تقدیر

روکو نہ کہ در پیش عجب راہ ہے ان کو
سقائی کی خدمت کی بڑی چاہ ہے ان کو

یہ سن کے سکینہؑ نے جو دی مشک بصد غم | آہستہ کہا شہ نے بہن سے کہ موئے ہم
سنبھلا جو نہ دل بیٹھ گئے قبلۂ عالم | عباسؑ چلے گھر سے بپا ہو گیا ماتم

یوں خیمے کے پردے سے وہ صفدر نکل آیا
گویا کہ قمر برج سے باہر نکل آیا

مجرے کو بہادر کے جلال و حشم آئے | قدسی بھی زیارت کو قدم با قدم آئے
ہاتھوں پہ فدا ہوتے کو فیض و کرم آئے | غیظ و غضب و قہر و تہور بہم آئے

چوما ظفر و فتح نے دامان علم کو
اقبال نے ہاتھوں کو شجاعت نے قدم کو

اسوارئ غمخوارِ امام زمن آئی | یا بادِ صبا نازسے سوئے چمن آئی
جب گرد اٹھی بوئے گل یاسمن آئی | گویا تھا کہ پہنے ہوئے زیور دلہن آئی

آمد درِ دولت پہ ہوئی کبکِ دری کی
مرغانِ ہوا بھول گئے چال پری کی

گھوڑے پہ چڑھے حضرت عباسؑ فلک جاہ   روح اسداللہ چلی شبیر کے ہمراہ
جاسوس نے دی جا کے خبر فوج کو ناگاہ   آتا ہے بڑا شیر دلاور سوئے جنگاہ
اس رخ کا جواں غرب سے تا شرق نہیں ہے
حیدرؑ میں اور اس میں سرِ مو فرق نہیں ہے

چہرے نے عجب نور کی صورت میں دکھائی   گرتی ہوئی بجلی صفِ دشمن میں دکھائی
گردوں کی صفا دشت کے دامن میں دکھائی   ذروں نے ستاروں کی چمک بن میں دکھائی
غیرت سے سفیدی تھی رُخِ چرخِ بریں پر
نقشِ سُمِ توسن مہِ کامل تھا زمیں پر

جادہ کو یہ دعویٰ ہے کہ میں کاہکشاں ہوں   کرتی ہے زمیں ناز کہ میں نور فشاں ہوں
پلہ مرا بھاری ہے کہ تُلتے میں گراں ہوں   فرزندِ علیؑ جس کا مکیں ہے وہ مکاں ہوں
کیا اُس کو مرے رتبۂ اعلیٰ کی خبر ہے
یاں چاند بہتّر ہیں وہاں ایک قمر ہے

استادہ ہے یہ ماہِ بنی ہاشم ذی قدر   دکھلائے تو اس شکل و شمائل کا کوئی بدر
یہ دوش یہ بازو یہ گلو یہ کمر و صدر   یہ عارض و گیسو سحرِ عید و شبِ قدر
یاں کون سی نسبت ہے ترے شمس و قمر کو
اک رات کو قربان کروں ایک سحر کو

ناگہ نظر آیا عَلَمِ دیں کا پھریرا   پنجے کے چمکنے سے ہوا دشت سنہرا
دریا کے نگہبانوں کا پانی ہوا زہرا   گھبرا کے ہٹا گھاٹ سے اسواروں کا پہرا
تھا شور کہ دیکھو وہ دلیر آن ہی پہنچا
لو سامنے بپھرا ہوا شیر آن ہی پہنچا

ہے شور کہ سقائے حرم آتا ہے رن میں — پانی کے لیے ابرِ کرم آتا ہے رن میں
بازوئے شہنشاہِ امم آتا ہے رن میں — اسلام کے لشکر کا علَم آتا ہے رن میں
پرچم وہ سنہرا نظر آتا ہے علَم کا
دیکھو وہ پھریرا نظر آتا ہے علَم کا

غازی کی وہ شوکت وہ شکوہِ علمِ نور — کہتی ہے یہ گرد اٹھ کے انا الطور انا الطور
پرچم تھا کہ بکھرے ہوئے تھے گیسوئے سرِ حور — ہم پنجہ ہو پنجے سے یہ کیا مہر کا مقدور
دکھلاتا تھا سرسبزیٔ افلاک پھریرا
تھا دامنِ مریم کی طرح پاک پھریرا

زر ریز تھا پنجہ تو یہ کہتے تھے خردمند — یہ ہاتھ سخی کا ہے نہ ہوئے گا کبھی بند
تھی اس کی ضیا آئینۂ مہر سے دہ چند — کرتا تھا ستاروں کو فلک فخر سے اسپند
سب فوجِ ملائک کی نظر اس سے لڑی تھی
اوڑھے ہوئے اک سبز ردا حور کھڑی تھی

صف باندھے ہوئے مجمعِ تھے ستم آرا — جو حضرتِ عباس نے بڑھ کر یہ پکارا
اے بے خبرو گھاٹ سے کر جاؤ کنارا — ہم شیر ہیں مسکن ہے ترائی میں ہمارا
کس شان سے آتے ہیں کوئی ٹوک کے دیکھے
دعویٰ ہو کسی کو تو ہمیں روک کے دیکھے

گھبرا کے بڑھا خود عمرِ سعدِ بد انجام — عباس سے کی عرض کہ اے صاحبِ صمصام
سن لیجیے کچھ شام کے حاکم کا ہے پیغام — پر آپ تنک آگے ہوئے تھرّا گئے اندام
جھنجھلائے ہوئے شیر سے اندیشہ ہے جاں کا
میں چند نفس آپ سے طالب ہوں اماں کا

کی چیں بجبیں ہو کے یہ عباسؑ نے تقریر — پیغام مجھے بھیجے گا کیا حاکمِ بے پیر
بندہ ہوں میں حاکم ہیں مرے حضرتِ شبیرؑ — شیوہ ہے تمھیں لوگوں کا یہ حیلہ و تزویر
ہے کام دغا سے تمھیں اور ہم سے وفا کو
فرزندِ علیؑ ننگ سمجھتے ہیں دغا کو

گر صلح کا پیغام بھی لایا ہے تو بیکار — میں کہتا ہوں مانیں گے نہیں سیدِ ابرار
دو بھائی یہیں مارے گئے اک بھائی کا دلدار — صدمہ یہ اٹھایا ہے کہ ہیں زیست سے بیزار
کھل جائے گا شمشیر وسناں باندھ چکے ہیں
وہ دیر سے مرنے پہ کمر باندھ چکے ہیں

کچھ سوچ کے یہ کہنے لگا ظلم کا بانی — سچ ہے کہ بچے گا نہ یداللہ کا جانی
پر آپ گنواتے ہیں عبث اپنی جوانی — کوئی تو رہے خلق میں حیدرؑ کی نشانی
غصہ کے نہ اندوہ کے نہ طیش کے دن ہیں
راتیں ہیں یہ آرام کی یہ عیش کے دن ہیں

کیوں کرتے ہو بے فائدہ جینے سے کنارا — چھوٹا ہے ابھی عمر میں فرزند تمھارا
جب آپ نے دی جان تو گویا اُسے مارا — عباسؑ جدائی کرو بھائی کی گوارا
ابنِ لحد ساتھ برادر نہیں جاتا
بھائی کوئی بھائی کے لیے مر نہیں جاتا

یہ سنتے ہی تھرانے لگا شیر کا اندام — غصے کے سبب سرخ ہوئی چشمِ سیہ فام
قبضے کو جو دیکھا تو اُگلنے لگی صمصام — فرمایا کہ ظالم تجھے دیتا ہے یہ پیغام
شاید نہیں آگاہ مرے جدّ و پدر سے
ایسا ہوں کہ پھر جاؤں گا زہراؑ کے پسر سے

بس دور ہو آگے مجھے سننے کی نہیں تاب — سر تن سے اتاروں ترا او ظالمِ کذاب
میں بھائی کا دشمن ہوں یہ ہے کونسا آداب — کیا قدر پھر اسکی ہے جو موتی کی گئی آب
رتبہ یہ ہے یہ سب شاہِ ولایت کا تصدق
ہم جانتے ہیں جان کو عزت کا تصدق

آگے مرے تو ذکر پسر کا مرے لایا — شبیر کے بچوں پہ تجھے رحم نہ آیا
اصغر سے تو ہے سن میں زیادہ مرا جایا — پانی تو کہاں دودھ بھی جس نے نہیں پایا
دل سینے میں ٹکڑے ہو کہ صدمہ ہو جگر پر
سو بیٹے ہوں تو صدقے کروں انکے پسر پر

بھائی کے لیے جی سے گزر جاتا ہے بھائی — جاتا بھی برادر ہے جدھر جاتا ہے بھائی
کیا بھائی ہو تیغوں میں تو ڈر جاتا ہے بھائی — آنچ آتی ہے بھائی پہ تو مر جاتا ہے بھائی
نعشیں بھی بہم زیرِ زمیں ہوتی ہیں اکثر
قبریں بھی پسِ مرگ قریں ہوتی ہیں اکثر

عاشق کہیں معشوق سے کرتے ہیں کنارا — بلبل کو کبھی گل کی جدائی ہے گوارا
قمری کو بجز سروِ چمن کون ہے پیارا — گردن سے کبھی طوق غلامی نہ اتارا
سر تن سے جدا ہو پہ نہ جانا نہ جدا ہو
اندھیر ہے گر شمع سے پروانہ جدا ہو

فرزندِ محمد ہے مرا مالک و مختار — فرمائیں تو دریا میں ابھی ڈال دوں رہوار
کہہ دیں تو ابھی کود پڑوں آگ میں اکبار — گر حکمِ وغا دیں تو کروں لاکھوں سے پیکار
ہمدم ہوں تو ان کا ہوں جو صفدر ہوں تو انکا
بندہ ہوں تو ان کا جو برادر ہوں تو انکا

کہنے پہ چلوں تجھ سے جفا جُو کے نہ ہے ہم
وصل رنج میں دل کو خنجرِ خونخوار کے نہ ہے ہم
پہنچے انہیں دُکھ ہاتھ سے بازو کے نہ ہے ہم
آنکھوں کی بدی سامنے ابرو کے نہ ہے ہم

ہٹ جا نہیں تیغ اب مری ؛ اللہ چلے گی
شیر دل سے نہ یہ بازئ روباہ چلے گی

میں حشمتِ دنیا کی تمنا نہیں رکھتا
قطرے کی طمع فیض کا دریا نہیں رکھتا
اعلیٰ جو ہے ادنیٰ کی وہ پروا نہیں رکھتا
پتے سے علاقہ سرِ طوبیٰ نہیں رکھتا

کافر کی طرح صاحبِ ایماں نہیں جاتے
بتخانے میں کعبے سے مسلماں نہیں جاتے

خورشید کو محتاجئ ذرّا نہیں ذرّا
دیندار سدا کرتے ہیں کافر پہ تبرّا
ظالم ترے حاکم کو ہے کس بات کا غرّا
اسلام سے عاری ہے تو ایماں سے معرّا

قاروں کا خزانہ ہو تو عزت نہیں ملتی
دولت سے کمینے کو شرافت نہیں ملتی

کچھ خارِ مغیلاں گلِ تر ہو نہیں جاتا
ہر قطرۂ ناچیز گہر ہو نہیں جاتا!
قلعی سے کچھ آئینہ قمر ہو نہیں جاتا
مس پر جو ملمع ہو تو زر ہو نہیں جاتا

جس پاس عصا ہو اسے موسیٰ نہیں کہتے
ہر ہاتھ کو عاقل یدِ بیضا نہیں کہتے

دولت نہیں انساں کی کچھ قدر بڑھاتی
دنیائے دنی کام کسی کے نہیں آتی
گو فقر ہو عالی نسبی پر نہیں جاتی
بینا جو ہیں وہ دیکھتے ہیں جوہرِ ذاتی

محتاجی سے کم رتبۂ عالی نہیں ہوتا
عزت وہ خزانہ ہے کہ خالی نہیں ہوتا

جو شاہ کو سب خلق سے رتبے میں سوا ہو — تبلاؤ غلام اس پہ فدا ہو کہ جدا ہو
تنہا ہوں تو کیا ڈر ہے جو لاکھوں ہوں تو کیا ہو — لوں میان سے شمشیر تو اک دم میں فنا ہو
غارت تمھیں کر دینے کو تیار ہے عباسؑ
بھائی کے مگر حکم سے ناچار ہے عباسؑ

خود مجھ کو قسم دی ہے کہ غصے میں نہ آنا — بھیا نہ ملے راہ تو دریا پہ نہ جانا
امت کی تباہی پہ کڑھیں گے مرے نانا — ان کا تو یہ رحم اور تمھارا یہ ستانا
دو دن سے نہیں پانی کی اک بوند ملی ہے
ہے سخت تعجب کہ یہ کیا سنگ دلی ہے

ظالم نے کہا تب کہ نہیں ملنے کا پانی — نقصان تھا کیا بیعتِ حاکم جو نہ مانی
تھرا گیا یہ سن کے ید اللہ کا جانی — فرمایا زباں روک بس او ظلم کے بانی
جس وقت بڑھیں پھر کہیں دم لیتے ہیں دریا
لے دیکھ اسی حملے میں ہم لیتے ہیں دریا

یاں تیغ جگر بندِ علیؑ میان سے نکلی — کس زرق سے کس برق سے کس شان سے نکلی
فریاد دلِ قوم بنی جان سے نکلی — اک تازہ پری تھی کہ پرستان سے نکلی
غل تھا کہ یہ کس چیز کا پرتو نظر آیا
حیرت ہے کہ دسویں کو مہِ نو نظر آیا

حملے تھے قیامت کے لڑائی تھی غضب کی — خوں پی کے برش تیغ نے پائی تھی غضب کی
ہوتی تھیں صفیں صاف صفائی تھی غضب کی — اس منہ کی صفائی پہ رکھائی تھی غضب کی
چلنے میں مزا قامتِ معشوقِ حسیں کا
انداز ہر اک تاب میں تھا چینِ جبیں کا

کیا قہر تھا شمشیر کے ابرو کا اشارا
اک چشم زدن میں اسے مارا اُسے مارا
نہ بھاگنے کی تاب تھی نہ جنگ کا یارا
ہر ضرب میں تھے جان سے عاری ستم آرا

گر بچ گیا یہ اس کی بلا ٹل گئی اس پر
منہ دیکھ لیا جس نے چھری چل گئی اُس پر

کج ہو کے وہ چلنا وہ ٹھہرنا وہ لچکنا
شعلہ تھا تجل گرد تھا بجلی کا چمکنا
وہ دیدۂ جوہر سے جفا کاروں کو تکنا
گویا تھا تماشا اسے کشتوں کا پھڑکنا

ندی کے قریں خون کا دریا سا بہا تھا
کیا چال غضب تھی کہ ہر اک لوٹ رہا تھا

بجلی کا چلن شعلہ کی خو سرکش و بیباک
صرصر سے سبک دست گراں قیمت و چالاک
خونخوار و جفا کار و ستم پیشہ و سفّاک
کج باز سرانداز ترش رُو و غضبناک

خود آب مگر آگ لگا دینے کو آندھی
ہستی کے چراغوں کے بجھا دینے کو آندھی

بسمل ہوا جس کو لچک اس کی نظر آئی
بجلی سی جو چمکی تو کلیجوں میں در آئی
پُر رنگ کیا اُس کو اسے آٹھ کر آئی
اٹکھیلیاں کرتی اِدھر آئی اُدھر آئی

حوروں میں یہ گرمی نہ لگاوٹ یہ پری میں
بیدم کیا لاکھوں کو اسی عشوہ گری میں

فولاد کے ڈھالوں پہ وہ تلوار نہ ٹھہری
اک دم بھی میانِ صفِ کفار نہ ٹھہری
سر سیکڑوں کاٹے کہیں زنہار نہ ٹھہری
خوں اتنے کیے اور گنہگار نہ ٹھہری

مجرم رہی سرکش رہی بے باک رہی وہ
دھبا نہ لگا خون سے بھی پاک رہی وہ

خاک اڑ گئی اس صف کی جدھر سن سے چلی وہ ‏ ‏ خود و سر و کاٹ کے جوشن سے چلی وہ
دو کر کے بنرہ سینۂ دشمن سے چلی وہ ‏ ‏ اسوار کا گرنا تھا کہ توسن سے چلی وہ
تھی ریت میں جب توسن چالاک سے نکلی
کھینچا تو چمکتی ہوئی پھر خاک سے نکلی

نہ ڈھال پہ نہ سر پہ نہ توسن پہ رکی وہ ‏ ‏ سینہ پہ نہ بکتر پہ نہ جوشن پہ رکی وہ
نہ سنگ نہ اسوار نہ آہن پہ رکی وہ ‏ ‏ نہ زین نہ پاکھر پہ نہ توسن پہ رکی وہ
یہ چاشنیٔ خونِ عدو بھا گئی اس کو
بجلی کی طرح جس پہ گری کھا گئی اس کو

آفت تھی قیامت تھی چھلاوہ تھی بلا تھی ‏ ‏ بجلی تھی کٹاری تھی قزلی تھی قضا تھی
روکے کوئی کیا باڑھ نہ تھی سیلِ فنا تھی ‏ ‏ پشہ تھا وہ ظالم کہ لہو جس کی غذا تھی
بجلی کو بھی تڑپا دیا تھا جلوہ گری نے
تاب اس کی نہ تھی مانگ نکالی تھی پری نے

اک آفتِ لشکرِ سفاک پہ آئی ‏ ‏ جس صف پہ گری تیغ وہ صف خاک پہ آئی
گہ فرق پہ چمکی کبھی فتراک پہ آئی ‏ ‏ دو ہو گیا جس ظالم ناپاک پہ آئی
ہر صف کا یہ احوال تھا اس تیغ دودم سے
جسطرح کوئی کاٹ دے سطروں کو قلم سے

رہوار سبک سیر نسیمِ سحری تھا ‏ ‏ ہم پیکرِ طاؤس حرم جلوہ گری تھا
تن تن کے اٹھانے میں قدم کبکِ دری تھا ‏ ‏ کاٹے میں جو پرکار تو اڑنے میں پری تھا
رفتار تو کب اپنی دکھاتا تھا کسی کو
سایہ بھی نہ اس کا نظر آتا تھا کسی کو

تھا کاہکشاں چوٹیوں سے حلقۂ گردن   سم بدر سے اور نعل مہِ نو سے تھے روشن
آہو سے بڑی آنکھ مگر شیر کی چتون   ٹاپ اس کی طپانچہ تھا اجل کا پئے دشمن

مستِ مئے نخوت جو وہ مغرور بڑے تھے
شیشوں کی طرح کاسۂ سر چور ہوئے تھے

لڑتا ہوا پہنچا لبِ دریا جو وہ جرّار   تھا دوشِ مبارک پہ علم ہاتھ میں تلوار
کہنی سے ٹپکتا تھا لہو خاک پہ ہر بار   چھیڑا جو ذرا اڑ کے گیا نہر میں رہوار

دل کھل گیا آئی جو ہوا سرد تری کی
تر ہو گئی چھینٹوں سے زرہ جسمِ جری کی

گو پیاس سے تڑپا دلِ جانِ خوش اطوار   بھولے نہ مگر تشنگیِ سیدِ ابرار
اس وقت میں رہوار بھی ہوتے تھے وفادار   پانی سے اٹھائے رہا منہ اپنا وہ رہوار

سمجھا کہ خجل ہوں گا بہت پاس بجا کے
ہمت اسے کہتے ہیں یہ معنی ہیں وفا کے

ڈھیلی کی لگام اس کی کئی بار یہ کہہ کر   تو پی لے کہ پھر پانی نہ ہوئے گا میسر
کی عرض کہ اے لختِ دلِ ساقیِ کوثر   دو روز سے ہے تشنہ جگر آلِ پیمبر

پانی پیے کس طرح علمدار کا گھوڑا
پیاسا ہے ابھی سیدِ ابرار کا گھوڑا

یہ سن کے علمدار کی آنکھیں ہوئیں پُرنم   سیراب کیا مشکِ سکینہ کو بصد غم
منہ باندھ کے تسمہ سے رکھا دوش پہ جس دم   کی عرض مدد کیجیو اے حافظِ عالم

تو مشک کا حافظ ہے نگہباں ہے علم کا
یارب میں ہوں بہشتی ہوں پیمبر کے حرم کا

یہ کہہ کے چلے نہر سے عباسِ فلک جاہ — جاری تھا زباں پر کہ توکلت علی اللہ
پھر آ گئے دریا پہ صفیں باندھ کے روباہ — غل تھا کہ بہادر کو نکلنے کی نہ دو راہ
رستہ نہ ملے گا تو کدھر جائیں گے عباسؑ
خود ڈوب کے اس نہر میں مر جائیں گے عباسؑ

ساحل پہ ہوئی قتلِ علمدار کی تدبیر — ترکش کے دہن کھل گئے چلّوں سے ملے تیر
تھے گھاٹ کو تلواروں سے روکے ہوئے بے پیر — عباسؑ بڑھے آتے تھے تولے ہوئے شمشیر
یہ حال تھا ضیغم دمِ جنگ آتا ہے جیسے
یوں آتے تھے ساحل پہ نہنگ آتا ہے جیسے

لڑتا ہوا اعدا سے وہ صفدر نکل آیا — بادل کو ہٹا کر مہِ انور نکل آیا
سقائے حرم نہر سے باہر نکل آیا — دریائے شجاعت کا شناور نکل آیا
ڈر سے کسی روباہ نے ضیغم کو نہ روکا
تلوار اٹھا کر کہا کیوں ہم کو نہ روکا

یوں جاتے ہیں اور نہر سے یوں آتے ہیں غازی — لاکھوں ہوں تو ہوں میدان میں کب ہٹتے ہیں غازی
زخمِ تبر و تیر و سناں کھاتے ہیں غازی — جب بات پہ آتے ہیں تو مر جاتے ہیں غازی
رکتے نہیں کوئی حکمِ خدا روکے تو رک کے
کیا روکو گے تم ہاں جو قضا روکے تو رک کے

یہ کہہ کے ترائی سے بڑھا شیرِ دلاور — پستی سے نمایاں ہوا گویا شہِ خاور
غل تھا کہ نہیں رکنے کا یہ عاشقِ داور — لو جاتا ہے دریائے شجاعت کا شناور
سب ٹوٹ پڑو ورنہ بڑا پیچ پڑے گا
پیاسے ہوئے سیراب تو پھر کون لڑے گا

دو لاکھ کے حلقے نے علمدار کو گھیرا وہ چاند تو تھا بیچ میں اور گرد اندھیرا
جو بھاگے تھے اُن لوگوں نے بھی باگوں کو پھیرا یہ کہتے تھے اللہ مددگار ہے میرا
تلوار سے نیزوں کو قلم کرتے تھے عباسؑ
پڑھ پڑھ کے دعا مشک پہ دم کرتے تھے عباسؑ

لڑتے تھے وہ انبوہ نہ ہوتا تھا اگر کم اُمڈا تھا سمندر کی طرح لشکرِ ظلم
ہاں جانے نہ دینا یہی غل ہوتا تھا ہر دم واں غش میں سکینہ تھی حرم کرتے تھے ماتم
شمشیر بکف اکبرِ ذیجاہ کھڑے تھے
ہاتھوں سے کمر پکڑے ہوئے شاہ کھڑے تھے

فرماتے تھے اکبرؑ سے یہ رو رو کے بصد یاس اب کیا کروں اعدا میں گھرا ہے مرا عباس
کہہ دو یہ سکینہ سے کہ ہو پیاس سے بے آس آنے نہیں دیتے مرے بھائی کو مرے پاس
دنیا سے مٹاتے ہیں نشانی کو علیؑ کی
مارا ہمیں امت نے دُہائی ہے نبیؐ کی

گھبرا کے یہ ڈیوڑھی سے سکینہ نے پکارا کیوں سوتے ہو بابا کسے مارا کسے مارا
چلائے شہِ دیں کہ نہیں صبر کا یارا سقائے حرم چھوٹتے ہیں ساتھ ہمارا
جینے کا مزا فرقتِ عباسؑ نے کھویا
ہے ہے مرے بھائی کو تری پیاس نے کھویا

منہ کر کے سوئے نہر وہ پیاسی یہ پکاری دریا سے چلے آؤ چچا تم پہ میں واری
تم خالی ہی لا کر ہیں دو مشک ہماری بابا کی سُنی جاتی نہیں گریہ و زاری
جلد آؤ کہ بیتاب امامِ دوسرا ہیں
ہم نے تمھیں پانی کو جو بھیجا تو خفا ہیں

کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زوجۂ عباسؑ — کیوں بی بیو سچ ہے مرے کیا ہو گئے بے آس
کیا کہتے ہیں شاہِ شہدا کس سے ہوئی یاس — اے وائے مقدر نہ سکینہ کی بجھی پیاس
کیسی خبر آئی ہے کہ جی کھوتے ہو لوگو
تم سب مرا منہ دیکھ کے کیوں روتے ہو لوگو

عباسؑ سلامت ہیں تو آنسو نہ بہاؤ — آجائے گا پھر غش نہ سکینہ کو رُلاؤ
ثابت ہے جو مرنا مجھے رنڈسالہ پہناؤ — ڈیوڑھی سے چلو ماتمی صف گھر میں بچھاؤ
خود کہہ گئے تھے وہ کہ سلامت نہ پھریں گے
عباسؑ بس اب تا بہ قیامت نہ پھریں گے

ماتم تھا اِدھر گھر میں اُدھر روتے تھے شبیرؑ — واں چلتے تھے عباس علیؑ پر تبر و تیر
دریا سے بڑھے آتے تھے تولے ہوئے شمشیر — ہر سمت سے امڈا ہوا تھا لشکرِ بے پیر
ساحل پہ قیامت کی صف آرائی ہوئی تھی
لشکر تھا کہ دریا پہ گھٹا چھائی ہوئی تھی

کس کس سے لڑے تشنہ دہانی میں تھے بے آس — ہمدرد نہ کوئی نہ مددگار کوئی پاس
وہ فوج کا نرغا وہ ہجومِ الم و یاس — ان سب پہ سوا مشک کے چھد جانے کا وسواس
بڑھتے تھے کماندار تو رک جاتے تھے عباسؑ
تیر آتا تھا جب مشک پہ جھک جاتے تھے عباسؑ

فریاد کہ تھے لاکھ لعیں روکے ہوئے راہ — شمشیر بکف بیچ میں ابنِ اسد اللہ
پیچھے سے پڑی تیغِ ستم دوش پہ ناگاہ — شاخِ شجرِ باغِ علیؑ قطع ہوئی آہ
اک ہاتھ تو ہمراہ گرا تیغِ دودم کے
اک ہاتھ تھا باقی وہ چلا ساتھ علم کے

گرنے لگا جسدم علمِ سیّدِ والا عباس نے جھک کر اُسے گردن سے سنبھالا
اک تیر لگا چشم پہ اور سینہ پہ بھالا بند آنکھیں ہوئیں منہ سے لہو خیر نے ڈالا
خم ہو کے پڑا فرق پہ گرز ایک شقی کا
شق ہو گیا سر حضرتِ عباس علیؑ کا

کچھ گرزِ گرانبار کا صدمہ نہیں تھوڑا سر پھٹ گیا پر مشک کو دانتوں سے نہ چھوڑا
زیں سے جو گرے آپ کھڑا ہو گیا گھوڑا پھر تیر نے مشکیزہ کو اور سینہ کو توڑا
پانی جو بہا عید ہوئی فوج عدو میں
مچھلی سے تڑپنے لگے عباسؑ لہو میں

نوفل سے کیا شمرِ لعیں نے جو اشارا وہ دستِ علمدار اٹھا کر یہ پکارا
یہ کس کے کٹے ہاتھ ہیں ہم نے کسے مارا دیکھے انھیں کس جا ہے ید اللہ کا پیارا
تلواروں سے تصویرِ صفائی ہے یہ کس کی
کس شیر کا پنجہ ہے کلائی ہے یہ کس کی

بھائی کے کٹے ہاتھ نظر آئے جو ناگاہ تھرانے لگے غیظ سے ابنِ اسد اللہ
اتنا تو کہا مر گئے عباس علیؑ آہ تیغ دو زباں کھینچ کے دوڑے شہِ ذیجاہ
یاں بنتِ علیؑ کوٹھے کے سینہ نکل آئی
سب بی بیوں سے پہلے سکینہؑ نکل آئی

عباسؑ کا فرزند تڑپ کر یہ پکارا کیوں نکلیں بہن تم کے مارا کسے مارا
وہ کہتی تھی روتے وہ نہیں صبر کا یارا اے بھائی بہشتی مرا کوثر کو سدھارا
چلاتی ہوں میں پھر کے نہیں آتے ہیں بابا
دیکھو وہ کمر پکڑے ہوئے جاتے ہیں بابا

فرزند کو بابا کی خبر سن کے غش آیا — گودی میں اسے دوڑ کے فضہ نے اٹھایا
دریا پہ جو پہنچا اسد اللہ کا جایا — واں بھائی کو بھائی نے تڑپتا ہوا پایا
آنکھوں کو خجالت کے سبب بند کیے تھے
نیزدل سے چھدی مشک کو پہلو میں لیے تھے

بھائی سے لپٹ کر یہ پکارے شہِ ابرار — صدقے میں ترے اے مرے لشکر کے علمدار
مجروح جو تھی تیروں سے ہر چشم گہربار — عباسؑ سے آنکھوں کو نہ کھولا گیا زنہار
دکھلا کے وفادار نے کانٹوں کو زباں کے
سر رکھ دیا قدموں پہ امامِ دوجہاں کے

حضرت نے کہا سر تو قدم پر سے اٹھاؤ — عباسؑ ہم آغوش میں لیویں ادھر آؤ
گو ہاتھ نہیں سر مری چھاتی سے لگاؤ — یاری جو زباں دے تو کچھ احوال سناؤ
تقریر تری شہرۂ آفاق ہے بھائی
بھائی تری آواز کا مشتاق ہے بھائی

عباسؑ نے کی عرض کہ ہے موت گلوگیر — کہتا تھا بہت کچھ پہ نہیں طاقتِ تقریر
اب تن کی رگیں کھنچتی ہیں یا حضرتِ شبیرؑ — امید یہ ہے رحم کرے مالکِ تقدیر
آگے مرے روئے خلفِ شاہِ نجف ہے
اس وقت تلک منہ مرا قبلے کی طرف ہے

سب کام مرے آپ کے صدقے میں بن آئے — وہ فاطمہؑ آئیں شہِ خیبر شکن آئے
آپ آئے حسنؑ آئے رسولِ زمنؐ آئے — سب مشکلیں آساں ہوئیں جب پنجتن آئے
اب روح سوئے خلدِ بریں جاتی ہے آقا
کچھ نیند سی خادم کو چلی آتی ہے آقا

یہ کہہ کے کبھی پاؤں سمیٹے کبھی پھیلائے　　کلمہ جو پڑھا ہونٹ علمدار کے تھرائے
دم تن سے نکلتے ہوئے آنسو بھی نکل آئے　　سر پیٹ کے حضرتؑ نے کہا ہائے اخی ہائے
زانوئے شہِ دیں پہ سفر کر گئے عباسؑ
گردن تو ڈھلی رہ گئی اور مر گئے عباسؑ

شہادت حضرت علی اکبرؑ

دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر
راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر
لذت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر
نکہت کوئی بوئے گلِ تر سے نہیں بہتر
صدموں میں علاجِ دلِ مجروح یہی ہے
ریحاں ہے یہی رَوح یہی رُوح یہی ہے

ماں باپ کا دل غنچۂ خنداں ہے اسی سے
وہ گل ہے کہ گھر رشکِ گلستاں ہے اسی سے
سب راحت و آرام کا ساماں ہے اسی سے
آبادیٔ کاشانۂ انساں ہے اسی سے
کس طرح کھلے دل کہ جگر بند نہیں ہے
گھر قبر سے بدتر ہے جو فرزند نہیں ہے

یہ وہ ہے عصا پیر جواں رہتا ہے جس سے
یہ وہ ہے نگیں نام و نشاں رہتا ہے جس سے
وہ شمع ہے پُرنور مکاں رہتا ہے جس سے
وہ دُر ہے قوی رشتۂ جاں رہتا ہے جس سے
کھوتے نہیں یہ مال زر و مال کے بدلے
موتی بھی لٹا دیتے ہیں اس لال کے بدلے

صولت یہی شوکت یہی اجلال یہی ہے
ثروت یہی حشمت یہی اقبال یہی ہے
سرمایہ یہی نقد یہی مال یہی ہے
گوہر یہی یاقوت یہی لعل یہی ہے
دلبند ہو پہلو میں تو غم پاس نہیں ہے
کچھ پاس نہیں گر یہ رقم پاس نہیں ہے

ماں باپ کی آسائش و راحت ہے پسر سے — تلخی میں بھی جینے کی حلاوت ہے پسر سے
خود جسم میں آنکھوں میں بصارت ہے پسر سے — ایام ضعیفی میں بھی طاقت ہے پسر سے
آرامِ جگر قوتِ دل راحتِ جاں ہے
پیری میں یہ طاقت ہے کہ فرزند جواں ہے

وہ شے ہے خوشی در پہ کھڑی رہتی ہے جس سے — وہ چین ہے راحت کی گھڑی رہتی ہے جس سے
وہ لال ہے امید بڑی رہتی ہے جس سے — وہ دُر ہے وہ جاں لڑی رہتی ہے جس سے
آرامِ جگر تاب و تواں ساتھ ہے اس کے
پھرتا ہے جدھر رشتۂ جاں ساتھ ہے اس کے

ملک سے بسر کے لختِ جگر جانے کو پوچھو — گھر والوں سے اس نورِ قمر بڑھ جانے کو پوچھو
ماں باپ سے قسمت کے بگڑ جانے کو پوچھو — یعقوب سے یوسف کے بچھڑ جانے کو پوچھو
اللہ دکھائے نہ الم نورِ نظر کا !
بہ جاتا ہے آنکھوں سے لہو قلب و جگر کا

یوسف کو عزیزوں نے چھڑایا جو پدر سے — فرقت ہوئی یعقوب کو اس رشکِ قمر سے
رنگِ رخِ پُر نور اڑا دردِ جگر سے — دنیا ہوئی اندھیر چھپا چاند نظر سے
دل آب ہوا جاتا تھا فرزند کے غم میں
بیٹا تو کنوئیں میں تھا پدر چاہِ الم میں

تھا چشم کے چشموں سے رواں اشک کا سیلاب — بر میں دلِ مجروح تپاں صورتِ سیماب
آرام کی صورت نہ کوئی زیست کا اسباب — فرزند جب آنکھوں سے نہاں ہو تو کہاں خواب
بستر کو کبھی دیکھ کے دلبند کے روئے
تکیوں سے لپٹ کر کبھی فرزند کے روئے

جاتے تھے عصا تھامے ہوئے شہر میں گھر گھر   بیٹے سے ملاقات نہ ہوتی تھی میسر
جو راہ میں ملتا تھا تو یہ کہتے تھے رو کر   ملتا نہیں گم ہو گیا یوسف مرا دلبر
اب جان نکلتی ہے جلا دے مجھے کوئی
فرزند سے للہ ملا دے مجھے کوئی

ہر بات پہ رو رو کر کفِ افسوس کو ملتے   ہر گام پہ بسمل کی طرح گر کے سنبھلتے
اشک آنکھوں سے ہر مرتبہ رخساروں پہ ڈھلتے   گر ضعف سے گرتے کبھی اٹھتے کبھی چلتے
جب شہر میں پاتے نہ تھے اس رشکِ قمر کو
صحرا کی طرف ڈھونڈنے جاتے تھے پسر کو

سایہ میں درختوں کے کبھی بیٹھ کے روتے   اشکوں سے کبھی دشت کے دامن کو بھگوتے
صحرا کے پرندوں سے مخاطب کبھی ہوتے   دریا سے یہ کہہ کر کبھی منہ اشکوں سے دھوتے
اب اس کی جدائی کی مجھے تاب نہیں ہے
تجھ میں تو مرا گوہرِ نایاب نہیں ہے

تھے چار طرف دشت میں فرزند کے جویا   چلاتے تھے اے لال تو کس قبر میں سویا
یوسف تجھے کس چاہ میں لوگوں نے ڈبویا   خود گم ہوں کہ پیارے تجھے ان ہاتھوں سے کھویا
کچھ تیرا پتہ اے مرے مہرو نہیں ملتا
سب آنکھوں کے آگے ہیں مگر تو نہیں ملتا

گر شام کو خورشید نہاں ہوتا ہے پیارے   تو دیکھتے ہیں لوگ اسے صبح کو سارے
گر دن کو چھپے شب کو نکلتے ہیں ستارے   تو کون سی بدلی میں ہے اے چاند ہمارے
حیرت ہے مرے دیدۂ دیدار طلب کو
جلوہ ترا دن کو نظر آتا ہے نہ شب کو

ہر چند کہ یعقوب کے گیارہ تھے پسر اور — آرام مگر دل کو نہ آتا تھا کسی طور
یعقوب محمدؐ کی مصیبت پہ کرو غور — آقا پہ تمہارے ہوا کیا کیا ستم و جور
حقا کہ رضاجوئے خدا وہ شہِ دیں تھا
اس لال کو کھویا کہ جو یوسف سے حسیں تھا

یعقوب کے آگے جو پسر برچھیاں کھاتا — ہے دل کو یقیں منہ سے کلیجا نکل آتا
فرزند کا دکھ باپ سے دیکھا نہیں جاتا — اکبر سے پسر کو کوئی ہاتھوں سے گنواتا
ہوتا ہے قلق گل ہو اگر خار کے نیچے
رکھے تو کلیجا کوئی تلوار کے نیچے

یارب کوئی فرزند جدا ہو نہ پدر سے — موت آکے نہ لیجائے یہ دولت کسی گھر سے
اٹھ جاتا ہے جینے کا مزا مرگِ پسر سے — جاتا نہیں یہ داغ موئے پر بھی جگر سے
اس غم میں کرے صبر نہیں دل یہ کسی کا
ہاں سبطِ پیمبر کا حسینؑ ابن علیؑ کا

غیروں کے لیے اپنی کمائی کوئی کھوئے — دل باپ کا مانے کہ پسر قبر میں سوئے
خوں میں کوئی اپنے دُرِ یکتا کو ڈبوئے — فرزند جواں قتل ہو اور باپ نہ روئے
فرزند کا غم بانوئے ناشاد سے پوچھو
یہ درد کسی صاحبِ اولاد سے پوچھو

دشمن کو بھی دنیا میں نہ اولاد کا غم ہو — سب دکھ ہوں مگر آنکھوں کی بینائی نہ کم ہو
ماں باپ پہ صدمہ ہو مصیبت ہو ستم ہو — لیکن نہ جواں بیٹے کے مرنے کا الم ہو
پھرتی ہے سدا شکلِ پسر دیدۂ تر میں
اک آگ سی ہر وقت بھڑکتی ہے جگر میں

افسوس کہ مادر جسے سو رنج سے پالے　　سو کر دے اُسے قبر کے تقدیر حوالے
جس ماں کی نہ قسمت نے کچھ ارمان نکالے　　کس طرح سے سر پہ وہ بھلا خاک نہ ڈالے

سب خاک میں جب گود کا پالا ہی نہ چھوٹے
اندھیر ہے جب گھر کا اجالا ہی نہ ہووے

ہے باپ کو پیغامِ اجل رحلتِ فرزند　　ہو جاتا ہے دل زخمی جدا جب ہو جگر بند
پیوند کلیجے کا ہو جب خاک کا پیوند　　کیا خاک ہو وہ سوختہ جاں خرم و خورسند

کیوں بھڑکے نہ آتش دلِ صد چاک کے اندر
جو چھاتی پہ تھا وہ چھپے خاک کے اندر

شبیرؑ پہ ڈالی ہے فلک نے یہ مصیبت　　فرزند جواں مانگتا ہے مرنے کی رخصت
منہ ڈھانپے ہوئے سر کو کھڑے روتے ہیں حضرت　　ہے دھیان کہ لٹ جائیگی اک عمر کی دولت

کچھ سوچ کے جب دیکھتے ہیں روئے پسر کو
ہاتھوں سے پکڑ لیتے ہیں شبیرؑ جگر کو

اب ہاتھ ذرا دل پہ رکھیں صاحبِ اولاد　　انصاف سے حضرت کی مصیبت کو کریں یاد
دولت پسرِ فاطمہؑ کی ہوتی ہے برباد　　حضرت کو تو ہے ضبط پہ دل کرتا ہے فریاد

یوں ہے جگرِ حضرتِ شبیرؑ تڑپتا
جس طرح سے بسمل تہِ شمشیر تڑپتا

داماد کا ماتم ہے برادر کا الم ہے　　خوں بہتا ہے آنکھوں سے کمر ضعف سے خم ہے
پھر اس پہ [illegible] سو ستم ہے　　ہمشکل پیمبر کے جواں مرنے کا غم ہے

... ابھی جھولے جھولے میں
... بیٹے میں

مشکل ہے عجب طرح کی کچھ بن نہیں آتا　　بیٹھا نہیں جاتا ہے مزا زیست کا جاتا
ہے برچھیاں دل پر کوئی حضرت کے لگاتا　　دم مارے قلق کے نہیں سینے میں سماتا
اک ایک گھڑی زیست کی دشوار ہوئی ہے
سو صدموں میں اک جان گرفتار ہوئی ہے

بیٹے سے کبھی کہتے ہیں خیمے میں تو جاؤ　　کیا ماں کا ہے احوال ذرا دیکھ تو آؤ
جو قصد ہے زینبؑ کو تو اے لال سناؤ　　حق پالنے والی کا تو دل سے نہ بھلاؤ
رخصت کی تمہارے جو خبر پائیں گی اکبرؑ
سر ننگی مجھو پھی گھر سے نکل آئیں گی اکبرؑ

اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ اے قبلۂ عالم　　بے آپ سے رخصت لیے جائیں گے نہیں ہم
دشوار ہے ایک ایک گھڑی زیست کی اس دم　　واں جاؤں تو روکیں گی مجھے مادر پر غم
اس وقت کسی کا نہیں کچھ دھیان ہے بابا
اب مرگ جوانی ہی کا ارمان ہے بابا

شہ نے کہا ماں روئینگی اس کا تمھیں ڈر ہے　　اور دل کی ہمارے نہیں کچھ آہ خبر ہے
گر ماں کا وہ دل ہے جو ہمارا بھی جگر ہے　　کیا میری تباہی تمھیں منظور نظر ہے
جو چاہو کہو، جلئے شکایت نہیں بیٹا
ہاں ماں کے برابر ہمیں الفت نہیں بیٹا

لو آؤ بس اب رحم مرے حال پہ کھاؤ　　پیری میں ہمیں داغ جوانی نہ دکھاؤ
جلتا ہے جگر رحم کرو مرنے نہ جاؤ　　روئے ہیں بہت اب ہمیں اکبر نہ رلاؤ
الفت کو مری تم نہیں اے لال سمجھتے
اولاد جو ہوتی تو مرا حال سمجھتے

مارے گئے سب میرے عزیز اور ملازم — نہ عونؑ و محمدؑ ہیں نہ عباسؑ نہ قاسمؑ
میں بھی چمنِ خلد کی ہوں سیر کا عازم — ماں بہنوں کی اب تم کو نگہبانی ہے لازم
آمادۂ غارت کوئی جلاد نہ ہوگا
تم ہوگے تو گھر باپ کا برباد نہ ہوگا

رونے لگے مظلومیٔ شبیرؑ پہ اکبرؑ — کی عرض کہ جینے سے مرنا مرا بہتر
گھر کی تو نگہبانی کو ہیں عابدؑ بے پر — شادی کے عوض رنج دکھاتا ہے مقدر
اولاد کی نہ بیاہ کے ہونے کی خوشی ہے
گر ہے تو ہمیں گور میں سونے کی خوشی ہے

کوتاہیٔ قسمت نے چھڑایا ہمیں سب سے — محجوب محمدؐ سے خجل شاہِ عرب سے
سر دیں گے دمِ صبح ارادہ تھا یہ کب سے — تڑپا کیے اور کچھ نہ کہا پاسِ ادب سے
دشمن پہ نہ ایسے الم و غم ہوں جہاں میں
قاسمؑ تو ہوں فردوس میں اور ہم ہوں جہاں میں

چھوٹے جو ہوں وہ جوہرِ شمشیر دکھائیں — ہم خاک بسر روتے ہوئے لاشوں پہ جائیں
عباسِ علیؑ خوں میں لبِ نہر نہائیں — بعد ان کے بھی سر دینے کا ہم اذن نہ پائیں
فرزند فدا باپ پہ ہوتے نہیں شاید
ہم حیدرِ کرارؑ کے پوتے نہیں شاید

بچپن میں ہمیں آپ نے شمشیر عطا کی — مٹ جائیں گے جوہر جو ہمیں نے نہ وغا کی
ہم شیر ہیں شیروں کے تو تم شیرِ خداؑ کی — حرمت ہے شجاعت کی تو عزت ہے وفا کی
قبضوں پہ کمانوں میں ہم ہتھیاروں سے کھیلے
بچپن میں جو کھیلے بھی تو تلواروں سے کھیلے

شہ نے کہا مرنا ہی اگر دل میں ہے ٹھانا — پہلے ہمیں میدان میں ہونے دو روانا
ہم ہو چکیں جب قتل تو تم مرنے کو جانا — اکبرؑ نے کہا کیا کہے گا مجھ کو زمانا

موقع ہے جدا پہلے مرا تیغ سے سر ہو
فرزند تو گھر میں ہے اور قتل پدر ہو

شہ نے کہا ماں کا بھلا باپ کا کب دل — اکبرؑ سا پسر سامنے آنکھوں کے ہو بسمل
بیٹے نے کہا صبر کی چھاتی پہ رکھو سِل — حضرت نے کہا دل نہیں ہوتا متحمل

کی عرض کہ صبر آپ کا مشہور ہے بابا
حضرت نے کہا اب نہیں مقدور ہے بابا

اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ یا حضرتِ شبیرؑ — منظور ہے اعدا میں پھنسے اکبرِ دلگیرؑ
رسّی سے گلا باندھیں مرا ظالم بے پیر — گردن میں تو ہو طوقِ گراں پاؤں میں زنجیر

شہ نے کہا تقدیر سے چارہ نہیں بیٹا
پر قید ہو تم یہ بھی گوارہ نہیں بیٹا

ناچار ہوئے باپ کی تقریر سے اکبرؑ — آنکھوں میں بھرے اشک گئے خیمے کے اندر
مادر نے بلائیں لیں کہا اے مرے دلبر — کس بات پہ تم روتے ہو صدقے گئی مادر

مجھ سے کہو گر شہ کا ادب کرتے ہو بیٹا
کس چیز کو بابا سے طلب کرتے ہو بیٹا

کیوں روتے ہو ان نرگسی آنکھوں کے میں قربان — اس پیاس میں واری نہ کرو آپ کو ہلکان
مجھ سے کہو بیٹا کہ بجا لاؤں میں فرمان — تابع مری مرضی کے ہو لے اکبرِ ذیشان

تم سے تو زیادہ کوئی پیارا نہیں اکبرؑ
خفگی تری یہ ماں کو گوارا نہیں اکبرؑ

یہ کیا ہے کمر کھولتے ہوں کیوں مجھے بتلاؤ — لو خضتے کو جانے دو میں قربان گئی آؤ
اب اشکوں کو پونچھو مجھے اے لال نہ رلواؤ — حضرت کو بلاتی ہوں میں اک لحظہ ٹھہر جاؤ

پوچھوں گی کہا کیا جو مرا لال خفا ہے
آزردہ کیا تم کو مجھے شاہ سے گلا ہے

اکبر نے کہا ان کی اجازت نہیں ملتی — سب قتل ہوئے اور ہمیں رخصت نہیں ملتی
دکھ درد سے سر دیکے فراغت نہیں ملتی — ہوں جسکا طلبگار وہ دولت نہیں ملتی

افسوس کہ لڑ کے تو شریک شہدا ہوں
ہم والد ماجد پہ نہ میداں میں فدا ہوں

سُن کر یہ سخن رونے لگی بانوئے دلگیر — دل سے کہا ابن بیٹے کا اب کرتی ہے تقدیر
کچھ سمجھی تھی میں ماں تو ہے کچھ اور ہی تدبیر — کس طرح رضا مرنے کی دیں بیٹے کو شبیر

اکبر کی جدائی تو اٹھائی نہیں جاتی
ہاتھوں سے یہ دولت تو گنوائی نہیں جاتی

اکبر نے کہا کرتی ہیں گر آپ مجھے پیار — دلوا دو رضا مرنے کی اے مادر غم خوار
میں نے کبھی کچھ آپ سے مانگا نہیں زنہار — پھر آج سفارش کا ہوں بابا سے طلبگار

بیٹے کی جوانی کا نہ اب غم کرو اماں
اکبر کو نثار شہ عالم کرو اماں

یہ ذکر تھا جو خیمے میں داخل ہوئے سرور — رونے لگے گردن کو جھکا کر علی اکبر
کچھ بن نہ پڑی رونے لگی بانوئے مضطر — روتے ہیں جو دیر سے ہمشکل پیمبر

عزت تو مرے لال کی مشہور ہے صاحب
اب کیجئے وہی جو اسے منظور ہے صاحب

چھاتی سے لگا بیٹے کو بولے شہِ ابرار — اے لال ہمیں کرتے ہو تم بیکس و لاچار
لو روؤ نہ جاؤ سوئے میداں مرے دلدار — راضی برضا ہم ہیں جو کچھ مرضیٔ غفار
مادر کو تری صبر خدا دے ترے غم میں
درپیش یہی راہ ہے ہم کو کوئی دم میں

فرزند کا منہ دیکھ کے کہنے لگی مادر — کیوں اب تو ہوئے بانو سے راضی مرے دلبر
مشکل ہے پیمبر نے کہا گر کے قدم پر — کونین میں ممتاز ہوا آپ کا اکبر
حضرت کی سفارش سے رضا مجھ کو ملی ہے
بس بخشیے دودھ اب یہ تمنائے دلی ہے

بانو نے کہا تم جو کہو گے وہ کروں گی — اے لال میں سل صبر کی چھاتی پہ دھروں گی
دکھ درد اٹھاؤں گی مصیبت میں بھروں گی — پیارے میں تڑپ کر تری فرقت میں مروں گی
ماں صدقے گئی روؤ نہ بیٹا علی اکبر
رخصت بھی کیا دودھ بھی بخشا علی اکبر

بانو نے یہ تقریر جو کی تھام کے رقت — اکبر کی طرف دیکھ کے رونے لگے حضرت
فرمایا کہ ان سے بھی تو لو مرنے کی رخصت — جس بی بی نے اٹھارہ برس کی ہے ریاضت
گو چپ ہے مگر اسکو تعلق ماں سے سوا ہے
تم پر مری ہمشیر کا حق ماں سے سوا ہے

زینب نے کہا جب ہیں رضائے شہِ عالی — میں نے کوئی بات نہیں منہ سے نکالی
کیا غم جو نہ پوچھا مجھے ماں سے تو رضا لی — مالک ہیں وہی ہیں تو ہوں اک پالنے والی
صدقے کیے فرزند پھوپھی سوگ نشیں ہے
سمجھیں تو مرا حق ہے نہ سمجھیں تو نہیں ہے

بچپن میں یہ چھاتی پہ مرے کاہے کو سوئے ‏ ‏ کب جاگی میں تا صبح جو یہ چونک کے روئے
کنگھی نہیں کی گیسوئے مشکیں نہیں دھوئے ‏ ‏ ان کے لیے کب میں نے بسر ہاتھ سے کھوئے
کیوں روتے ہیں یہ کس لیے حضرت کو قلق ہے
حقدار ہیں کاہے کو مرا کون سا حق ہے

سی کرنے کرتے انھیں کس روز پہنائے ‏ ‏ اسپند کیا کب یہ کہیں جا کے جو آئے
رکھتی تھی میں کس دن انھیں دولھا سا بنائے ‏ ‏ ناز ان کے پھوپھی نے کبھی کاہے کو اٹھائے
پوچھے تو کوئی گھٹنیوں جس روز چلے تھے
ان تلووں سے یہ دیدۂ نرگس نے ملے تھے

جب دودھ بڑھانے کا ہوا خیر سے ہنگام ‏ ‏ اس شادی کا کس نے کیا کنبے میں سرانجام
قربان رہی اٹھارہ برس جو سحر و شام ‏ ‏ پوچھا بھی نہ ماں سچ ہے اب اس بی بی سے کیا کام
کیوں ان کی بلا لے کے نہ پہلے ہی موئی میں
سب لوگ تو ان کے ہوئے کوئی نہ ہوئی میں

پالے مرے پوچھے نہ کہیں جاتے تھے زنہار ‏ ‏ یا آج ہیں دنیا سے سفر کرنے کو تیار
اس فاقے میں باندھی کمر اور سج لیے ہتھیار ‏ ‏ مجبور ہیں پالے کے یہ ایسے ہوئے مختار
بھیگیں جو مسیں موت کا پیغام یہی تھا
آغازِ خطِ سبز کا انجام یہی تھا

خوش ہیں کہ رضا مرنے کی لی اپنے پدر سے ‏ ‏ الفت کے سبب بس نہ چلا ماں کا پسر سے
میں ساتھ ہی نکلوں گی ردا پھینک کے سر سے ‏ ‏ کس طرح سے جاتے ہیں بھلا جائیں تو گھر سے
دلبند کلیجے سے جدا میں نے کیے ہیں
اس لال پہ دو لال فدا میں نے کیے ہیں

اب تک مری آنکھوں سے ہوئے ہیں کبھی اوجھل میں جیتی ہوں یہ جائیں گے کیونکر سوئے مقتل
بستی مری ویران ہو آباد ہو جنگل اٹھارہ برس کی ہے ریاضت کا یہی پھل
سرسبز ہو جو نخل اکھاڑا نہیں جاتا
ہاتھوں سے چمن اپنا اجاڑا نہیں جاتا

مرنے کا نہ لیں نام مجھے آتا ہے وسواس زینبؑ نہیں جینے کی جو یہ بھی نہ رہے پاس
نہ عونؑ و محمدؑ ہیں نہ قاسمؑ ہیں نہ عباسؑ اب تو یہی میری ہے مراد اور یہی آس
تیار جنازہ مرا کر لیں تو سدھائیں
ہاتھوں سے مجھے قبر میں دھر لیں تو سدھائیں

سن کر یہ سخن بی بیاں رونے لگیں ساری حضرت کے بھی اکبرؑ کے بھی آنسو ہوئے جاری
بانوئے دو عالم پہ یہ رقت ہوئی طاری غش ہو گئی اور ہوش میں آئی کئی باری
نہ دھیان سکینہؑ کا نہ اصغرؑ کی خبر تھی
زینبؑ پہ کبھی اور کبھی اکبرؑ پہ نظر تھی

بیٹے سے یہ فرمانے لگے قبلۂ عالم رخصت نہ ملے گی تمھیں کیوں کہتے تھے ہم
دو چاند سے فرزند ہوئے ہیں ابھی بیدم مر جائیگی اس درد رسیدہ کو نہ دو غم
ماں کی یہی مرضی یہی بابا کی خوشی ہے
زینبؑ کی خوشی حضرت زہراؑ کی خوشی ہے

لازم ہے کہ حقدار کے حق کو نہ بھلاؤ کہتی ہیں نہ جانے کو اگر یہ تو نہ جاؤ
خود چاہتے تھے ہم کہ رضا ان کی نہ پاؤ دن پھولنے پھلنے کے ہیں کیوں برچھیاں کھاؤ
جاں اپنی جوانی میں نہ دو باپ کے بدلے
اُمّت پہ فدا ہوں گے ہمیں آپ کے بدلے

لو مرنے کو ہم جاتے ہیں تم گھر سے خبردار
بہنوں سے خبردار برادر سے خبردار
لُٹنے نہ کوئی آلِ پیمبر سے خبردار
بنتِ اسد اللہ کی چادر سے خبردار
کیوں روتے ہو لے لال جھکائے ہوئے سر کو
دیکھو تو اِدھر اب تو نہ روکو گے پدر کو

جس وقت سُنی حضرت زینبؑ نے یہ تقریر
روتی ہوئی قدموں پہ گری بھائی کے ہمشیر
کی عرض بصد عجز کہ یا حضرتِ شبیرؑ
صدقہ علی اکبرؑ کا مری بخشیے تقصیر
کیوں آپ ہوئے مستعدِ جنگ یہ کیا تھا
روکا تھا جو اکبرؑ کو وہ جھگڑا ہی جُدا تھا

کیا اس لیے روکا تھا ہمیں اکبرِ ذیجاہ
اور تشنہ دہن آپ سدھاریں سوئے جنگاہ
حضرت تو ہیں واقف بہن ایسی نہیں یا شاہ
گر جان بھی کام آئے تو موجود ہے واللہ
بیٹے مرے کیا تھے علی اکبرؑ ہیں تو کیا ہیں
سَو ایسے پسر کو کھ پہ زہراؑ کی فدا ہیں

اکبرؑ سے کہا تو مری جاں رن کو سدھارو
زینبؑ کا بنا کام بگڑتا ہے سنوارو
جو دشمن اولادِ علیؑ ہیں انھیں مارو
اب حق یہی میرا ہے کہ سر باپ پہ وارو
اس طرح کے مرنے میں بڑا نام ہے بیٹا
ہاں شیر دلوں کے بیٹوں کا یہی کام ہے بیٹا

تسلیم کو خوش ہو کے جھکے اکبرِ ذیجاہ
دل تھام کے خوش ہو گئی بنتِ اسد اللہ
کانپے فلک اس درد سے شبیرؑ نے کی آہ
ماں ڈیوڑھی تلک لیتی گئی بیٹے کے ہمراہ
خیمے سے پدر ساتھ پسر کے نکل آیا
خورشید بھی ہمراہ قمر کے نکل آیا

رخصت ہوئے جب شہ سے علی اکبرِ ذیشاں　　گھوڑے پہ چڑھے آپ کھلا رحل پہ قرآں
وہ رخش کی چھل بل وہ ضیائے رخِ تاباں　　اک برق چمکتی ہوئی پہنچی سرِ میداں
زردی رخِ خورشید پہ چھائی نظر آئی
پرتو سے زمیں رن کی طلائی نظر آئی

وہ شان وہ شوکت وہ تہوّر وہ جلالت　　چھپتے ہیں کہیں جوہرِ شمشیرِ اصالت
طینت میں کرم طبع میں انصاف و عدالت　　اقبال علی شان شہنشاہِ رسالت
دیکھا جو وہ رخ عرش کے سرتاج کو دیکھا
زلفوں کو جو دیکھا شبِ معراج کو دیکھا

لشکر کی صفیں آ کے لعینوں نے جمائیں　　دریائے بلاخیز کی موجیں نظر آئیں
اس طرح وہ سطریں کبھی صفحے میں سمائیں　　تیغوں کی چمک تھی کبھی بالا کبھی پائیں
کثرت کے سبب سایہ کو جاگہ نہ کہیں تھی
لشکر کی صفیں تھیں کہ زمیں چیں بجبیں تھی

یہ نالوں سے گرم ہوا قتل کا میداں　　ملبوسِ بدن پھونک گئے تیغیں ہوئیں عریاں
گرمی سے نکالے تھے زباں خنجرِ برّاں　　اور صورتِ اژدر تھیں سنانیں شرر افشاں
اٹھتا تھا دھواں یا کہ سیہ رنگ علم تھے
پھل برچھیوں کے آگ کے شعلوں سے نہ کم تھے

اطباقِ فلک گونجتے تھے فوج کے غل سے　　تھرّاتا تھا دل رعد کا آوازِ دہل سے
خاروں کو جو کاوش تھی یداللہ کے گل سے　　برگشتہ تھے ہمشکل شہنشاہِ رسل سے
ہر صف سے چلی تیغِ ستم تشنہ دہاں پر
دو لاکھ جواں ٹوٹ پڑے ایک جواں پر

بڑھ بڑھ کے ستمگاروں نے بھالوں کو سنبھالا   اور قبضہ پہ ہاتھوں کو سواروں نے بھی ڈالا
تلوار کو اکبرؑ نے کمر سے جو نکالا!   دہشت سے ہوا عالمِ بالا تہ و بالا
غصے میں جو ابنِ خلفِ شاہِ نجف تھا
العظمۃ للہ کا غل چار طرف تھا

یوں تیغ نے سرداریوں کے تن سے اتارے   جس طرح اڑیں شعلۂ آتش سے شرارے
تلوار تھی پر برق کے انداز تھے سارے   اک ضرب پہ مرتا تھا تو دس خوف کے مارے
قبضے میں اسی صاحبِ جوہر کے قضا تھی
آئی وہ ادھر کو تو ادھر جان ہوا تھی

کیا ہاتھ تھا کیا تیغ تھی کیا بہت عالی   دم بھر میں نمودار صفیں ہو گئیں خالی
جب جھوم کے ڈھالوں کی گھٹا آتی تھی کالی   بجلی سی چمک جاتی تھی شمشیرِ ہلالی
ملتا تھا نشاں رن میں صفوں کا نہ پروں کا
تھا شور کہ مینہ آج برستا ہے سروں کا

اک برق سی گرتی تھی ہر اک دشمنِ جاں پر   گر سر پہ کبھی ڈھال پہ تھی گاہ سناں پر
ترکش پہ گئی تن سے کبھی گاہ کماں پر   کس طرح بھلا ذکرِ ترکش لاؤں زباں پر
دل سے کہیں جینے کی ہوس قطع نہ ہو جائے
دم بند ہے ڈر سے کہ نفس قطع نہ ہو جائے

ایک ایک قدم سر پہ سر اور لاش پہ تھی لاش   ہر وار پہ گردوں سے صدا آتی تھی شاباش
ٹھہرے نہ قدم ان کے جو تھے بر سرِ پرخاش   یوں چھپتے تھے جس طرح چھپے مہر سے خفاش
بجلی کی تڑپ فوج کو دکھلاتی تھی تلوار
مُند جاتی تھیں آنکھیں جو چمک جاتی تھی تلوار

کیا عزم تھا اللہ رے جری واہ ری ہمت — لڑنے میں نظر آئی جو صف نیزوں کی کثرت
پہنچا وہیں وہ شیرِ نیستانِ شجاعت — تلوار میں تھی برقِ جہاں سوز کی خصلت
اعدا کو سنبھلنے کی بھی فرصت نہ ذرا دی
معلوم ہوا آگ نیستاں میں لگا دی

ہر سو صفتِ برق اچھل جاتی تھی تلوار — گر سر پہ کبھی زیرِ بغل جاتی تھی تلوار
جل جاتا تھا جس غول پہ چل جاتی تھی تلوار — ہر صف کو قلم کر کے نکل جاتی تھی تلوار
دل فوج کا جلتے ہوئے صحرا سے نہ کم تھا
میدانِ ستم آگ کے دریا سے نہ کم تھا

اس تیغ سے جو چار ہوا تھا وہ دو پارا — اور بچ گیا جو اس کو ملی عمر دوبارا
غل تھا کہ سوا بھاگنے کے اب نہیں چارا — صحرا میں چلو چھوڑ کے دریا کا کنارا
عالم کے ڈبو دینے کا ساماں کیا ہے
آبِ دمِ شمشیر نے طوفاں کیا ہے

اکثر جو صفِ جنگ میں بڑھ بڑھ کے لڑے تھے — جانوں کو چھپائے ہوئے وہ دور کھڑے تھے
دُھساں پہ یہ چھایا تھا ہراس اور جو لڑتے تھے — زندہ تھے مگر خوف سے مُردوں میں پڑے تھے
بازار سلاحِ حربی رن کی زمیں تھی
نیزہ کہیں خنجر کہیں تلوار کہیں تھی

پہنچے جو چمک کر کسی ظالم کی سپر تک — بجلی سی سپر سے گئی وہ کاسۂ سر تک
اللہ ری صفائی نہ ہوئی اسکو خبر تک — یہ سر سے گئی سینہ پہ سینے سے کمر تک
کاٹی کمر اس طرح سے دو کر کے زرہ کو
جس طرح کوئی کھول دے ناخن سے گرہ کو

بجلی سا ہر اک صف سے نکل جاتا تھا گھوڑا — تھا سایۂ زلفِ علی اکبرؑ اسے کوڑا
سرکش کے گرا جس کا اُسے ٹاپ سے توڑا — ماتھے پہ لگے تیر پہ منہ اُس نے نہ موڑا
اُڑتا ہوا یوں فوج کے انبوہ سے نکلا
معلوم ہوا کبکِ دری کوہ سے نکلا

یہ صف ہوئی پامال تو اس صف میں در آیا — طاؤس خیال اُس سے نہ سرعت میں بھر آیا
یاں سے جو گیا واں تو اُدھر سے اِدھر آیا — نظروں سے چھپا گاہ تو گاہے نظر آیا
اُڑنے میں مہک گُل کی تنِ صاف سے آئی
ہر غول میں غُل تھا کہ پری قاف سے آئی

سرعت میں ہرن دو میں چھلاوے سے زیادہ — باگ اس کی تھی جو دلِ راکب کا ارادہ
دریا پہ سمجھتا تھا ہر اک موج کو جادہ — تیار کفل تنگ کمر سینہ کشادہ
شعلہ ہوا لپکا جو ذرا غیظ میں آکے
بجلی کی رگیں آگ کا دم پاؤں ہوا کے

جب خاک پہ جنگل میں قدم رکھتا تھا ان کے — سر اپنا ٹیک دیتے تھے طاؤس چمن کے
رشکِ مہِ نَو گردنِ پُر نور کے منکے — جب جم کے اڑا وہ تو اُڑے ہوش ہرن کے
پامال ہوا جاتا تھا دلِ کبکِ دری کا
گھوڑی کی اچانک کہ جھگڑا تھا پری کا

گو لاکھ مدد گردشِ ایام کو پہنچے — کب سرعتِ شبدیز سبک گام کو پہنچے
واں پہنچے یہ اور صبح نہ اتمام کو پہنچے — جس بن میں نسیمِ سحری شام کو پہنچے
وقفہ کبھی یہ اسپ سبک پے نہیں کرتا
خورشید بھی منزل کوئی یوں طے نہیں کرتا

گو آگ کہوں آگ پہ سرعت نہیں رکھتی — گر کہیے ہوا وہ یہ حرارت نہیں رکھتی
گر برق کہوں برق یہ جودت نہیں رکھتی — گر حور کہوں حور یہ صورت نہیں رکھتی
یاں قدر نہ بجلی کی نہ کچھ پیکِ صبا کی
بس خاتمہ اس پہ ہے کہ قدرت ہے خدا کی

پریوں کی بھی اس طرح سواری نہیں چلتی — ان پھرتیوں سے بادِ بہاری نہیں چلتی
اس زور سے تلوار دو دھاری نہیں چلتی — چلتے ہیں قدم یوں کہ کٹاری نہیں چلتی
دو گام بھی ساتھ اس کے فرس چل نہیں سکتا
اس طرح سے چلتا ہے کہ بس چل نہیں سکتا

جس وقت وغا کا نہ رہا ایک کو یارا — خیمے سے نکل کر پسرِ سعد پکارا
وہ لاکھ نے بھی مل کے نہ اک طفل کو مارا — اب چادریں اوڑھو کہ مٹا نام تمہارا
جی ہار دیا فوج نے عزت گئی سب کی
بے آب ہوئی آج سے تلوار عرب کی

یہ سنتے ہی غیظ اک یلِ غدار کو آیا — میداں میں اڑاتا ہوا رہوار کو آیا
کس غیظ سے تولے ہوئے تلوار کو آیا — دلبندِ یداللہ سے پیکار کو آیا
کاندھے پہ سپر لب پہ سخن بے ادبی کے
ظالم کو عداوت تھی گھرانے سے نبیؐ کے

رستم کی طرح اپنے تن و توش پہ غرّا — خورشید پہ غالب کبھی ہوتا نہیں ذرّا
بدکار جہاں حسن و لیاقت سے معرّا — گردن تھی ازل سے تہِ شمشیر تبرّا
پر ہول ہو رستہ وہ سیہ رو جو گزر جائے
صورت وہ کہ عفریت جسے دیکھ کے ڈر جائے

وہ خود تہمتن سے بھی جھکا نہ اُٹھے بار
چار آئینہ اک قلعۂ فولاد کی تلوار
اژدر تو خود اور مار سیہ نیزۂ خونخوار
وہ گرزِ گراں سر جو کرے کوہ کو مسمار
خنجر وہ کہ مریخ کا رنگ اُڑتا تھا جس سے
ڈھال ایسی کہ تلوار کا منہ مُڑتا تھا جس سے

کافر نے رجز پڑھ کے ننگا دو کو نکالا
اکبر بھی بڑھے چلنے لگا بھالے پہ بھالا
اژدر تھے زبانوں کو نکالے تہ و بالا
گردن کو اٹھائے ہوئے تھا کالے سے کالا
پڑتی تھی سناں پر جو سناں دشتِ وغا میں
چنگاریاں اُڑتی نظر آتی تھیں ہوا میں

ہر طعن میں یاں مُڑ گئے واں اُڑ گئے دو وار
نقطہ یہ سمٹنے میں وہ پھر جانے میں پرکار
چوٹیں جو کئی کھا کے جھجکنے لگا غدار
نیزے کو اُڑا لے گیا نیزے سے یہ جرّار
کیا بند بندھے تحتِ دلِ عقدہ کشا پہ
دیکھا تو سناں خاک پہ تھی ڈانڈ ہوا پر

غصے میں کماں لیکے بڑھا سرکش و بے پیر
سر پر تھا عقابِ علی اکبرِ صفتِ تیر
پنجہ تھا کہ سرپنجۂ ضرغامِ عدو گیر
غل تھا کہ نہ بے زورِ جگر گوشۂ شبیرؑ
یا دیکھتی تھی فوج فرس کی تگ و دو کو
یا پنجۂ خورشید میں دیکھا مہِ نو کو

خفت ہوئی جھٹکے کئی ظالم نے جو کھائے
پیسے کبھی دانت اور کبھی ہونٹ چبائے
روباہ ظفر شیر پہ کس طرح سے پائے
پھر گرد ہے خاک اڑ کے اگر عرش پہ جائے
اس سر کا شرف پاؤں کو حاصل نہیں ہوتا
اسفل کبھی اعلیٰ کے مقابل نہیں ہوتا

اکبر نے کہا خیر تھکا گر ہے تو دم لے　　بے تیرے بڑھے وار کریں ہم تو قسم لے
دم لے کے بس اب میان سے شمشیر دودم لے　　کیا کرتے ہیں ہم دیکھ ذرا شیروں کے حملے
ناخن جو نہ ہو عقدۂ مشکل نہیں کھلتا
جب تک کہ نہ تلوار کھنچے دل نہیں کھلتا

سرسبز کیا گلشن اسلام اسی نے　　کعبے سے جدا کر دیے اصنام اسی نے
شاہوں کو دیے موت کے پیغام اسی نے　　قبضے میں لیا روم سے تا شام اسی نے
کانپا کیے خاقان جہاں حرب سے اس کے
جاری ہوا سکہ کا چلن ضرب سے اس کے

جب تیزی شمشیر زباں اس کو دکھائی　　ٹھنڈا تو ہوا تھا پہ حرارت بھی کچھ آئی
تلوار علم کر کے جو ڈھال اس نے اٹھائی　　معلوم ہوا تیرہ گھٹا کوہ پہ چھائی
خورشید ہوا زرد اڑی گرد یہ رن کی
گھوڑے کی تگاپو سے زمیں ہل گئی رن کی

تلواریں کھنچیں برچھیاں چمکیں علم اٹھے　　گھوڑوں کے تگ و دو میں برابر قدم اٹھے
نظارے کو گردوں پہ ملائک بہم اٹھے　　گر گر کے ادھر خاک پہ شاہِ امم اٹھے
اکبر جو مقابل ہوئے اس ضال و مضل سے
شبیرؑ قریب آ گئے بیتابیٔ دل سے

چلائے کہ اے میرے بہادر ترے قرباں　　یہ پیاس کئی روز کی یہ دھوپ یہ میداں
کچھ یہ تو جنوں سے بھی قوی تر ہے مری جاں　　اس دیو پہ اللہ ظفر دے تمہیں اس آں
کیا پیاس بہت ہے کہ پکارے نہیں جد کو
اب دل نہیں قابو میں ہم آتے ہیں مدد کو

رونے لگے اکبرؑ یہ صدا سن کے پدر کی　　جوڑے ہوئے ہاتھوں کو رُخ شہ پہ نظر کی
کی عرض دعا بس ہے شہ جن و بشر کی　　اس وقت نہیں پیاس قسم آپ کے سر کی
غازی ہیں الم تشنہ دہانی کا نہیں ہے
اس شغل میں کچھ دھیان بھی پانی کا نہیں ہے

حضرت نے کہا خیر خدا حافظ و ناصر　　جرأت میں نہ تم کم ہو نہ میں صبر میں قاصر
یہ بیکس و بے پر ہے مدد کرنے کو حاضر　　دب جائیگا ادنیٰ سے بھی ادنیٰ ہے یہ کافر
تیور کہیں چھپتے ہیں شجاع ازلی کے
اعلیٰ سے تم اعلیٰ ہو کہ بیٹے ہو علیؑ کے

ہاں دینی طرف آنے نہ دیجو اسے زنہار　　گھوڑے کو بڑھائے ہوئے روکے ہوئے تلوار
مغرور تن و توش پہ اپنے ہے یہ غدار　　خود منہ کے بل آئے گا جو خالی گئے دو وار
دشمن جو اٹھے جم کے تو پھر لطف وغا ہے
ہاں تھام لو باگ اس کے فرس کی تو مزا ہے

یہ سُن کے بڑھا جنگ کو وہ شیرِ نرینہ　　پہنچا تھا جسے زورِ علیؑ سینہ بہ سینہ
شوکت وہی سب تھی وہی حملے کا قرینہ　　شبدیز پہ تھے آپ کہ خاتم پہ نگینہ
یوں سینہ کشادہ گئے اس عہد شکن پر
جس طرح جھپٹتا ہے کبھی شیر ہرن پر

زن سے جو وہ تلوار گئی سر سے پھر آئی　　وہ خود سے منی ہوئی گردن سے پھر آئی
وہ کھینچ کے بیر سے گئی جوشن سے پھر آئی　　نہ صدر سے خالی گئی تو تن سے پھر آئی
ہاں بعد علیؑ کم ہوئی جنگ و جدل ایسی
غل تھا کبھی دیکھی نہیں رد و بدل ایسی

غصے میں جو سفاک نے کی رخش کو مہمیز　　شہزادے کے گھوڑے کے قریب آ گیا شبدیز
بس تھام لی اکبر نے عنانِ فرسِ تیز　　جھجکا تھا وہ گھوڑا کہ چلی تیغ خوں ریز
ہوش اُڑ گئے اس بانیٔ بیداد و ستم کے
سر کٹ کے گرا فرق پہ چالیس قدم کے

تازی کی عناں چھوڑ کے اک ہاتھ جو مارا　　چاروں سمِ رہوار کٹے صاف قضا را
گھوڑا جو گرا دشتِ ستم ہل گیا سارا　　بس چور ہوئی پس کے فرس سے ستم آرا
دکھلا دیا صفدر نے جو ارشادِ پدر تھا
نہ پاؤں تھے گھوڑے کے نہ اسوار کا سر تھا

لڑتے تھے کہ پیشانیٔ انور پہ لگا تیر　　سب خوں سے بھری احمدِ مختار کی تصویر
نکلا ہے کمیں میں تھا کوئی ظالم بے پیر　　برچھی جو لگی سینے میں حالت ہوئی تغییر
اللہ ری شجاعت کہ نہ ابرو پہ بل آیا
پھل اُس نے جو کھینچا تو کلیجہ نکل آیا

ٹکڑے جو بہے خون کے ڈریٹے میں جگر کے　　غش ہو گئے سر گردنِ رہوار پہ دھر کے
نزدیک سے پھر وار چلے تیغ و تبر کے　　سب پسلیاں کٹ کٹ گئیں ٹکڑے ہوئے سر کے
تلواریں تھیں یا آپ تھے یا سر پہ خدا تھا
جس ہاتھ سے لڑتے تھے وہ پہنچوں سے جدا تھا

جس وقت ہوا دینے لگا زخم جگر کا　　سینے میں رُکا آ کے دم اس رشکِ قمر کا
گرتے ہوئے گھوڑے سے خیال آیا پدر کا　　چلائے کہ اب کوچ ہے دُنیا سے پسر کا
بیکس کی مسافر کی مدد کیجیے بابا
اپنے علی اکبرؑ کی خبر لیجیے بابا

بیٹے کی صدا سن کے ہوا صدمۂ جانکاہ   اک ہوک کلیجے میں اٹھی بیٹھ گئے شاہ
معلوم ہوا جان چلی آہ کے ہمراہ   دل تھام کے ہاتھوں سے کہا یا اسداللہ
ماں باپ کے جینے کا مزا لے گئے بیٹا
عہدہ جو تمہارا ہے ہمیں دے گئے بیٹا

اٹھارواں یہ سال یہ عزت یہ جوانی   یہ شان یہ اقبال یہ شوکت یہ جوانی
دیکھی تھی نہ اب تک یہ شجاعت یہ جوانی   یوں خاک ہوئی ہائے یہ صورت یہ جوانی
کس درجہ مشابہ تھے رسولِ عربیؐ سے
گویا کہ حسینؑ آج بچھڑتا ہے نبیؐ سے

لے آئی جو بیتابئ دل لاشِ پسر پر   جھکنے میں نظر پہلے پڑی زخمِ جگر پر
اک تیر لگا قلبِ شہِ جن و بشر پر   سینے پہ کبھی ہاتھ کو مارا کبھی سر پر
اوپر کے دم اس شیر کو بھرتے ہوئے دیکھا
بابا نے جواں بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا

ہونٹوں پہ زباں منہ پہ عرق خاک پہ گیسو   پتھرائی ہوئی آنکھ کٹے تیغوں سے ابرو
گردن تو کج اور حلق پہ اک تیر سہ پہلو   چہرے پہ لہو گالوں پہ ڈھلکے ہوئے آنسو
یہ زیرِ لب آواز کہ آقا نہیں آئے
نزدیک اجل آ گئی بابا نہیں آئے

اے دردِ جگر تھم کہ شہِ بحر و بر آئیں   اے جان نہ گھبرا شہِ جن و بشر آئیں
اے روح توقف شہِ والا ادھر آئیں   اے موت ٹھہر جا پدر آئیں پدر آئیں
ارمانِ دلِ زارِ پسر ہوش میں نکلے
حسرت ہے کہ دم باپ کی آغوش میں نکلے

چلّائے شہِ دیں علی اکبرؑ پدر آیا — اُٹھو مرے پیارے مرے دلبر پدر آیا
تم ڈھونڈتے ہو لے مہِ انور پدر آیا — ناشاد پدر بیکس و بے پر پدر آیا

کچھ دل کی کہو بات کرو، ہوش میں آؤ
صدقے پدر آؤ مری آغوش میں آؤ

منہ کھولے ہو کیوں تیر کو گردن سے نکالوں — گر درد نہ ہو ہاتھوں سے بازو کو سنبھالوں
گرتا ہے پہاڑ اسکو میں کس طرح سے اُٹھاؤں — مرتے اُسے دیکھوں جسے آغوش میں پالوں

بہ بہ کے لہو میں جگر آتا ہے تمہارا
سینے سے کلیجا نظر آتا ہے تمہارا

اکبرؑ نے سُنی غش میں جو یہ باپ کی زاری — بیتابیِ شبیرؑ پہ آنسو ہوئے جاری
رو کر کہا بابا سے کہ رخصت ہے ہماری — جینے کے نہیں زخم کلیجے پہ ہے کاری

کبریٰ کو سکینہؑ کو برادر کو نہ دیکھا
افسوس کہ مرتے ہوئے مادر کو نہ دیکھا

یاں آئے ہیں لینے کو مرے خُلد سے حیدرؑ — کس پیار سے دیتے ہیں مجھے ساغرِ کوثر
دادی مرے پہلو میں کھڑی پیٹتی ہیں سر — اور شور ہے حوروں میں کہ ہے ہے علی اکبرؑ

ہیں گرد مری لاش کے روحیں شہدا کی
آتی ہے صدا گریۂ محبوبِ خداؐ کی

یہ کہتے تھے جو درد ہوا چھاتی میں ناگاہ — آغوش میں بابا کی تڑپنے لگا وہ ماہ
اک آہ کی اور گلشنِ فردوس کی لی راہ — چلّائے کلیجے کو پکڑ کر شہِ ذیجاہ

لب تشنہ جہاں سے سوئے کوثر گئے بیٹا
یہ باپ تو جیتا رہا تم مر گئے بیٹا

اے لال کہاں سے تمھیں اب ڈھونڈ کے لاؤں   بتلاؤ تو کس منہ سے میں اب خیمے میں جاؤں
پوچھے تمھیں بانو تو میں کیا اس کو بتاؤں   مرنے کی خبر بیٹے کی کیا ماں کو سناؤں
ماتم میں ہمیں اپنے رلایا علی اکبرؑ
تم نے مرا لاشہ نہ اٹھایا علی اکبرؑ

شہادت حضرت علی اصغرؑ

جب دولتِ سرور پہ زوال آ گیا رن میں ‏ جس گُل پہ تصدق تھے وہ مرجھا گیا رن میں
آنکھوں کا جو تھا نور وہ کھویا گیا رن میں ‏ جینے کا جو باعث تھا وہ مارا گیا رن میں
ماں باپ کو سہرا بھی نہ اکبرؑ نے دکھایا
پیری نے عجب داغ مقدّر نے دکھایا

یوں باپ کی قسمت کو الٹتے نہیں دیکھا ‏ اس طرح مقدّر کو پلٹتے نہیں دیکھا!
یوں بڑھ کے کسی سرو کو گھٹتے نہیں دیکھا ‏ اس عمر کا پودا کوئی کٹتے نہیں دیکھا!
نازوں کے دعاؤں کے مرادوں کے پلے تھے
واحسرت و دردا ابھی پھولے نہ پھلے تھے

افسوس نہ کچھ عمر نے اکبرؑ سے وفا کی ‏ پورے وہ جواں بھی نہ ہوئے تھے کہ قضا کی
کیا دخل ہے بندے کو مشیّت میں خدا کی ‏ ماں کہتی تھی مجھ سے علی اکبرؑ نے دغا کی
کچھ بس نہ چلا آ گئے یوں موت کے بس میں
پیدا ہوئے اور مر گئے اٹھارہ برس میں

ہوتا ہے برابر کا پسر قوتِ بازو ‏ آرامِ جگر راحتِ جاں زینتِ پہلو
ایسا پسرِ ماہ لقا صفدر و خوش رُو ‏ مر جائے تو کیا دل پہ رہے باپ کا قابو
گر پڑتے ہیں اللہ اللہ کہ یہ کمزور ہیں شبیرؑ
جیتے ہیں مگر غم سے لبِ گور ہیں شبیرؑ

دل کا ہے تقاضا کہ تڑپنے کی رضا دو　　کہتا ہے جگر خوں سرا آنکھوں سے بہا دو
سر کھینچا ہے نالوں نے کہ گردوں کو ہلا دو　　شہ کہتے ہیں یاد اب علی اکبرؑ کی بھلا دو
مختار کا جو حکم ہو کچھ جبر نہیں ہے
اس زخم کا مرہم کوئی جز صبر نہیں ہے

فدیہ ہوا فرزندِ جواں شکر کی جا ہے　　خوشنود ہے ربِ دوجہاں شکر کی جا ہے
لب پر نہیں فریاد و فغاں شکر کی جا ہے　　گردن سے گیا بارِ گراں شکر کی جا ہے
جو ہم کو عطا کی تھی وہ دولت اسے پہنچی
فارغ ہوئے ہم اس کی امانت اسے پہنچی

رونے سے ملے گر علی اکبرؑ تو میں روؤں　　چھاتی سے لپٹ جائے وہ دلبر تو میں روؤں
آباد ہو اُجڑا ہوا پھر گھر تو میں روؤں　　رونے سے یہ دولت ہو میسر تو میں روؤں
پر کھوئے ہوئے لال کو پاتے نہیں دیکھا
دنیا سے گیا جو اُسے آتے نہیں دیکھا

منہ کر کے سوئے چرخ یہ فرماتے تھے ہر بار　　عالم مری نیت سے ہے تو اے مرے مختار
گھر سے نہ علاقہ ہے نہ بچوں سے سروکار　　ہر حال میں ہوں تجھ سے اعانت کا طلبگار
گو شاہِ زمیں ہوں پہ ترے گھر کا گدا ہوں
محتاج ہوں مسکیں ہوں غریب الغربا ہوں

کس کس ترے احساں کا کروں شکر زباں سے　　ہے ناطقہ عاجز کہ زیادہ ہے بیاں سے
واقف نہیں کوئی ترے اسرارِ نہاں سے　　دشوار ہے عالم کی صفت ہیچمداں سے
پیاس آج کے دن کی مجھے مرغوب ہے مولا
جو تیری مشیت ہے وہی خوب ہے مولا۔

ہر دم ہے ترا لطف مرے حال کے شامل　　　پیدا کیا واں وحی جہاں ہوتی تھی نازل
بخشا وہ مکاں رہنے کو اے خالقِ عادل　　　بے اذن ملک جس میں نہ ہو سکتے تھے داخل
یہ لطف و عنایت ہے تری کون سے گھر پر
جبریلؑ و سرافیلؑ کھڑے رہتے تھے در پر

نانا وہ دیا اشرفِ ذرّیتِ آدم　　　بابا شہِ مرداں سا دیا فخرِ دو عالم
ماں سیّدۂ کون و مکاں ثانیٔ مریم　　　بھائی وہ کہ تو جسکی بزرگی سے ہے محرم
دنیا میں کسی اور کا رتبہ ہے کب ایسا
نام ایسا گھر ایسا نسب ایسا حسب ایسا

ماں طاہرہ جد طیب و پاکیزہ پدر پاک　　　رحمت سے تری کیوں نہ ہوں الیوں کے پسر پاک
گلشن کی زمیں پاک شجر پاک ثمر پاک　　　گھر پاک جگہ پاک صدف پاک گہر پاک
پھولے وہ شجر جس کو ثمر دار کرے تو
جس قطرے کو چاہے دُرِ شہوار کرے تو

کیا عمر تھی جب سر سے اٹھا باپ کا سایا　　　دو بھائی تھے دو بہنیں تھیں اور دیس پرایا
تو تھا جو نگہباں تو نہ اعدا نے ستایا　　　ماں باپ کا مرنا تری شفقت نے بھلایا
رحمت سے تری خلق کے مختار رہے ہم
دیکھی جو یتیمی دُرِ شہوار ہوئے ہم

فرزند وہ امداد کیا حور شمائل　　　تھی جس کی زیارت کے سبب روشنیٔ دل
خورشید زمیں برجِ شرف کا مہِ کامل　　　یہ بھی تری امداد تھی اے خالقِ عادل
دولت یہ نہ ملتی جو خداوند نہ دیتا
کیا کرتا اگر تو مجھے فرزند نہ دیتا

اکثر ترے بندے ہیں کہ جن کے نہیں اولاد — نے فاتحہ خواں کوئی نہ فرزند نہ احفاد
کتنے ہیں کہ غمگیں ہیں کبھی اور کبھی شاد — بچے ہوئے اور مر گئے اور گھر ہوا برباد
مرتے ہوئے دیکھا ہے برابر کے پسر کو
اس داغ کی قدر آج ہوئی میرے جگر کو

تھے مرتے جو فرزند تو بے صبر نہ ہوتا — خادم کبھی اس اجر کو ہاتھوں سے نہ کھوتا
دامن کو ترے خوف میں اشکوں سے بھگوتا — اکبر کو میں فرزند سمجھ کر نہیں روتا!
یوں تو وہ کلیجا تھا مرا اور مرا جی تھا
میں اس لیے روتا ہوں کہ ہمشکل نبیؐ تھا

بچھڑا تھا کبھی مجھ سے نہ وہ گیسوؤں والا — پیری کا عصا تھا وہی اور گھر کا اجالا
جب چاند سی چھاتی پہ لگا ظلم کا بھالا — تھا سینے میں خادم کا کلیجہ نہ دیالا
اشک آنکھوں سے تھمتے نہیں تفتیدہ جگر ہوں
تو رحم کر اے خالق اکبر کہ بشر ہوں

دریا پہ جو عباسؑ نے جان اپنی گنوائی — خادم کی کمر ٹوٹ گئی مر گیا بھائی
باعث تھا یہ لاشے پہ جو رقت بہت آئی — مولا مجھے یاد آ گئی بابا کی جدائی
صدمے سے نہ پھر ضبط کا یارا ہوا مجھ کو
پھر داغ ید اللہ دوبارا ہوا مجھ کو

تنہا ہوں بس اب کوئی نہیں مونس و ہمدم — موجود ہے تو سر پہ کچھ اس کا بھی نہیں غم
اب رنج نہ گھر کا ہے نہ اولاد کا ماتم — بہتر ہے گزر جائے تری یاد میں جو دم
وابستۂ تسبیح رکھوں رشتۂ جاں کو
جب تک ہے دہن میں حرکت خشک زباں کو

باتیں تھیں ادھر شکر کی اور صبر و رضا کی　　بندھتی تھیں صفیں رن میں اُدھر اہلِ جفا کی
ناگاہ ہوئی خیمے میں اک دھوم بکا کی　　سمجھے شہِ مظلومؑ کہ اصغرؑ نے قضا کی
فرمایا کہ یا رب کہیں جلدی اجل آئے
تڑپا یہ دلِ زار کہ آنسو نکل آئے

ڈیوڑھی کے قریب آکے یہ شبیرؑ پکارے　　جیتے ہیں کہ اصغرؑ گئے فردوس سدھارے
فضہؑ نے کہا اے اسد اللہ کے پیارے　　معصوم کا دم ہونٹھ پہ ہے پیاس کے مارے
سنبھلے ہیں کچھ اب پہلے تو گردن بھی ڈھلی تھی
جلد آئیے لونڈی تو بلانے کو چلی تھی

روتے ہوئے خیمے میں شہِ بحر و بر آئے　　خوش ہو کے سکینہؑ نے کہا لو پدر آئے
بانو کو جو شبیرؑ اکیلے نظر آئے　　چلائی کہ میداں سے نہ اکبر ادھر آئے
لونڈی نے بڑی دیر سے دیکھا نہیں اُن کو
صاحب مرے لٹنے کی خبر کیا نہیں اُن کو

کہہ دے کوئی مرتے ہیں علی اصغرؑ گلفام　　لائیں جو کہیں سے انھیں پانی کا طلے جام
حضرت نے کہا اُن کو کسی سے نہیں اب کام　　جاگے تھے کئی رات کے اب کرتے ہیں آرام
ہم دارِ محن میں ہیں وہ گلزارِ جناں میں
واماندوں کی لیتا ہے خبر کون جہاں میں

فرما کے یہ گہوارۂ اصغرؑ پہ جھکے شاہ　　دیکھا جو دم اکھڑا تو ہوا صدمۂ جانکاہ
خورشید لبِ بام نظر آیا جو وہ ماہ　　رانڈوں کے جگر ہل گئے اس درد سے کی آہ
چھائی ہوئی زردی تھی جو دلبند کے منہ پر
شبیرؑ نے منہ رکھ دیا فرزند کے منہ پر

چلاتی تھی گھبرائے ہوئے بالوں کو مادر　دولت مری لٹتی ہے اجڑتا ہے مرا گھر
فریاد ہے اے لختِ دلِ ساقیٔ کوثر　آنکھیں بھی جھپکتے نہیں اب تو علی اصغر
کیا ہو گیا اس صاحبِ اقبال کو میرے
ہے ہے لیے جاتی ہے اجل لال کو میرے

گودی میں لیا شاہ نے گھبرا کے پسر کو　لپٹا لیا خورشید نے چھاتی سے قمر کو
خیمے سے چلے لیکے جو اس نورِ نظر کو　غش آنے لگا مادرِ تفتیدہ جگر کو
سمجھی کہ یہ اب جا کے نہ پھر آئیں گے بن سے
فرزند چلا کیا کہ چلی جان بدن سے

اشک آنکھوں سے بہنے لگے دل غم سے بھر آیا　گہوارۂ بے شیر جو خالی نظر آیا
رقت کا ہوا جوش کہ منہ کو جگر آیا　رنگ اڑنے لگا تیر کلیجے میں در آیا
گہوارے پہ سر دھر کے جو غش کر گئی بانو
ہر اک پہ یہ ثابت یہ ہوا مر گئی بانو

سب بی بیاں چلا کے جو کرنے لگیں زاری　گھبرا کے اٹھی اور یہ حضرت کو پکاری
یا سبطِ نبی تن سے چلی جان ہماری　اک لحظہ ٹھہر جائیے میں آپ کے واری
صاحب مری آغوش کے پالے کو دکھا دو
اک بار پھر اس ہنسلیوں والے کو دکھا دو

حضرت نے کہا شوق سے بے شیر کو دیکھو　لو آکے پھر اس چاند سی تصویر کو دیکھو
بیتاب ہو کیوں اصغرِ دلگیر کو دیکھو　کیا صبر کیا ہے دلِ شبیر کو دیکھو
موت آج جوان کی ہے تو چارا نہیں صاحب
کیا لال تمہارا ہمیں پیارا نہیں صاحب

تم ماں ہو بڑے دکھ سے ہے تم نے اسے پالا ہے حق کہ تڑپ کر ہو کلیجہ تہ و بالا!
پر جان ہماری بھی ہے یہ گیسوؤں والا ہر طرح مگر صبر کیا دل کو سنبھالا
خوشنود ہیں وہ عشق ہے اللہ سے جن کو
اکبرؑ کو فدا کر کے لیے جاتا ہوں ان کو

میں ان کو نہ لے جاؤں اگر ہے تمھیں وسواس دوری علی اکبرؑ سے بھائی یہ تو رہیں پاس
اب تو ہے ہماری بھی امید یہی آس اور اسکے سوا پانی کے ملنے سے بھی ہے یاس
لو چلتی ہے میداں میں ہوا سرد نہیں ہے
وہ لوگ ہیں واں جمع جنھیں درد نہیں ہے

دھڑکا ہے کہ بے رحم کہیں تیر نہ ماریں شرمندہ ہوں تم سے جو یہ کوثر کو سدھاریں
واں تیز ہیں میرے لیے تلواروں کی دھاریں غل ہے کہ حسینؑ آئیں تو سر تن سے اتاریں
قاتل ہیں وہ اکبر کے تو سجاد کے دشمن
ہیں مجھ سے زیادہ مری اولاد کے دشمن

نیزہ علی اکبرؑ کو مرے سامنے مارا! پانی کو ترستا ہوا دنیا سے سدھارا
ہیں دشمن اولادِ علیؑ وہ ستم آرا اس کو بھی کریں قتل تو کیا زور ہمارا
غم ہو کہ عبث لا کے جگر بند کو کھویا
تم دل میں کہو باپ نے فرزند کو کھویا

برگشتہ ہے تقدیر مخالف ہے زمانا دشوار ہے اب جا کے مرا خیمے میں آنا
سچ کہتی ہوں تم ان کا مناسب نہیں جانا الفت ہے اگر ہم سے تو آنسو نہ بہانا
دکھ درد رنڈاپے کا بھی سہہ لیجیو بانو
جو کہنا ہے اللہ سے کہہ لیجیو بانو

رگود میں فرزند کو اللہ نگہبان ہر حال میں زینبؑ کی اطاعت کا ہے دھیان
بانو نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو یہ اس آن لونڈی سے خفا کچھ ہوئے میں آپ کے قربان

یوں آپ جسے چاہیے دے جائیے ان کو
کب میں نے کہا تھا کہ نہ لے جائیے ان کو

میں بھی ہوں کنیز آپ کی یا حضرت شبیرؑ ہر دکھ میں رضا جوئے خدا تابع تقدیر
بیتاب تھا دل کی ہوجو بیجا کوئی تقریر ہیں آپ خطا پوش بحل کیجیے تقصیر

فرزند کا غم ماں کے کلیجے کو چھری ہے
صدقے گئی یہ ماں تا کی آنچ بری ہے

خنجر کے تلے جس کا جگر ہو وہی جانے اس درد کی جس دل کو خبر ہو وہی جانے
دکھ درد میں پالا جسکی بسر ہو وہی جانے آغوش میں جس ماں کی پسر ہو وہی جانے

شب کٹتی ہے کس طرح سے دن ڈھلتا ہے کیونکر
پوچھے کوئی ماں سے کہ پسر پلتا ہے کیونکر

پہلو میں ہو یا گود میں یا چھاتی پہ سوئے دھڑکا ہے کہ بچہ کہیں بے چین نہ ہوئے
پلتا ہے پسر ایک جو ماں عمر کو کھوئے جس نے یہ اٹھائی ہو مصیبت وہ نہ روئے

ماں چپ رہے اور گود سے جائے پسر الیا
صاحب کوئی لے آئے کہاں سے جگر ایسا

میں آپ کے صدقے مرے ماں باپ بھی قرباں یہ خادمۂ خاص تو ہے تابع فرماں
خوشنود ہوں لیجائیے ان کو سوئے میداں کچھ میں نے کہا مر گئے جب اکبر ذیشاں

ہاں صبر خدا دے یہ دعا کیجیو صاحب
ام ان کا جو آپ لوگ تو کلا کیجیو صاحب

شاہ بولے یہ کیا کہتی ہو اے بانوئے دلگیر　　واللہ بدل تم سے رضامند ہے شبیرؑ
دخل اس میں نہ میرا نہ تمہاری کوئی تقصیر　　صاحب انھیں دریا پہ لیے جاتی ہے تقدیر
واجب ہمیں ہر حال میں خوشنودیٔ رب ہے
اکبرؑ گئے جس جا وہیں انکی بھی طلب ہے

لو گود میں لے کر انھیں چھاتی سے لگاؤ　　بس صبر کرو اشک نہ آنکھوں سے بہاؤ
بھاری کوئی کرتا علی اصغرؑ کو پہناؤ　　اکبرؑ کے جو بچپن کا عمامہ ہو تو لاؤ
دولھا سا بناؤ کہ یہ پروان چڑھے گا
تم شکر کرو آج کہ دودھ ان کا بڑھے گا

یہ سن کے کہا ماں نے کہ آ آ مرے پیارے　　سر مہ بھی دیا، بال بھی سب سر کے سنوارے
کپڑے تھے جو بھاری وہ پہنائے وہ اتارے　　رو کر کہا لو جاؤ میں قربان تمہارے
جھک جھک کے جو فرزند کا منہ پاس سے دیکھا
ماں کو علی اصغرؑ نے عجب یاس سے دیکھا

مادر سے اشارا تھا کہ دنیا سے چلے ہم　　افسوس کہ اس باغ میں پھولے نہ پھلے ہم
گودی میں تمہارے چھ مہینے تو پلے ہم　　اب تشنہ دہن جاتے ہیں طوبیٰ کے تلے ہم
کیوں روتی ہو کچھ رونے سے حاصل نہیں اماں
یہ دارِ محن رہنے کے قابل نہیں اماں

بچے کو لیے گھر سے جو نکلے شہِ والا　　تھی دھوپ میں تیزی کہ ہرن ہوتا تھا کالا
نکلا تھا کبھی گھر سے نہ وہ ہنسلیوں والا　　دامانِ عبا چہرۂ فرزند پہ ڈالا
روتا تھا تو چھاتی سے لگا لیتے تھے شبیرؑ
ہر گام پہ دامن سے ہوا دیتے تھے شبیرؑ

یوں کہنے لگے دیکھ کے آپس میں ستمگر — یہ کیا ہے جو ہاتھوں پہ لیے ہیں شہِ صفدر
بولا کوئی ہے زیرِ عبا مصحفِ داور — تا صلح کریں ہم سے لیے بیچ میں دیگر
معلوم ہوا جنگ سے گھبراتے ہیں شبیرؑ
قرآں کو شفاعت کے لیے لاتے ہیں شبیرؑ

بولا کوئی بے درد نہیں یہ نہیں اصلا — ہے صابر و شاکر پسرِ حضرتِ زہراؑ
سادات پہ اس وقت میں ہے تیسرا فاقا — بے جاں ہوا ہوگا کسی سیدانی کا بچہ
اشک آنکھوں میں ہیں چاک گریباں کیے ہیں
میت کسی معصوم کی شبیرؑ لیے ہیں

سنکر یہ کلام ان کا پکارے شہِ عادل — تم تو نہ محمدؐ کے نہ قرآں کے ہو قائل
میت ہے نہ قرآن ہے یہ اے فرقۂ جاہل — یہ مصحفِ ناطق کے گلے کی ہے حمائل
دیکھو مری مظلومی و اندوہ و قلق کو
لے آیا ہوں زہراؑ کے صحیفے کے ورق کو

یہ چھوٹا سا سید بھی ہے مہمان تمہارا — کیا تم کو ملے گا جو لے پیاس سے مارا
بر فرش کی زینت ہے تو ہے عرش کا تارا — میرا ہی جگر بند ہے ماں کا بھی ہے پیارا
کچھ پانی کے بدلے تمھیں لینا ہو تو کہدو
دریا سے جو قطرہ کوئی دینا ہو تو کہدو

طالب ہو اگر زر کے تو زر لیجیو مجھ سے — قطرے کے عوض لعل و گہر لیجیو مجھ سے
پانی دو دلا دے خلد میں گھر لیجیو مجھ سے — خالی ہو اگر نہر تو بھر لیجیو مجھ سے
معصوم ہے بے آب کبھی جی نہ سکے گا
اک جام تو یہ تشنہ دہاں پی نہ سکے گا

مارا جنھیں برچھی سے انھیں کا ہے یہ بھائی — اٹھارہ برس کے تھے وہ جن کی اجل آئی
یہ لال ہے میرا چھ مہینے کی کمائی — مرجائیگی ماں گر ہوئی اس سے بھی جدائی
بہنوں کی یہ ہے جان تو پھوپھیوں کا جگر ہے
مرجانے میں اسکے کئی جانوں کا ضرر ہے

میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ پانی مجھے لا دو — تم ان کے چلو سے لیے آپ پلا دو
مرتا یہ ہے مرتے ہوئے بچے کو جلا دو — للہ کلیجے کی مرے آگ بجھا دو
جب منہ مرا تکتا ہے یہ حسرت کی نظر سے
اے ظالمو اُٹھتا ہے دھواں میرے جگر سے

بجھتی نہیں جب آگ کلیجے میں لگی ہو — جانے وہی اولاد خدا نے جسے دی ہو
سوچے وہ قضا جس کے جگر بند نے کی ہو — انصاف کرے دل پہ چھری جسکے چلی ہو
غمگین ہو تو سوزِ نفس سرد کو سمجھے
جس دل میں نہ ہو درد وہ کیا درد کو سمجھے

اولاد کی فرقت کوئی پوچھے مرے جی سے — بیٹے کی محبت کوئی پوچھے مرے جی سے
یہ دکھ یہ مصیبت کوئی پوچھے مرے جی سے — اس درد کی لذت کوئی پوچھے مرے جی سے
اک یادِ الٰہی تو فراموش نہیں ہے
یہ جوش ہے غم کا کہ مجھے ہوش نہیں ہے

میں خوب سمجھتا ہوں کہ ہو ظلم کے بانی — یہ کیا ہے کہ پھر تم سے طلب کرتا ہوں پانی
جاں اپنی میں دیتا ہوں جو بچ جائے یہ جانی — مرجاؤں میں پر اسکی بجھے تشنہ دہانی
جب سوئے عدم خلق سے منہ موڑ کے جاؤں
حسرت ہے کہ دنیا میں اسے چھوڑ کے جاؤں

یہ کہہ کے اٹھایا رُخِ بے شیر سے دامن — چہرے کی تجلی سے جہاں ہو گیا روشن
دیکھی جو حسینؑ نے وہ چاند سی ڈھلکی ہوئی گردن — کیا ذکر بھلا دوست کا رونے لگے دشمن
ہر چند کہ سب ظالم و جلاد تھے اس میں
تھرا گئے جو صاحبِ اولاد تھے اس میں

کی آہ کسی نے کوئی منہ پھیر کے رویا — دامن کسی جلاد نے اشکوں سے بھگویا
ہر شخص کے اک تیر لگا قلب پہ گویا — بولا کوئی ایماں بھی گیا، دین بھی کھویا
یُوں پھول کوئی دھوپ سے مُرجھا نہیں جاتا
بچے کا یہ عالم ہے کہ دیکھا نہیں جاتا

بولا کوئی کیا پانی کے دینے میں ضرر ہے — معصُوم ہے مظلُوم ہے اور تشنہ جگر ہے
بولا کوئی بچہ تو ہے پر دھیان کدھر ہے — دشمن اسے سمجھو کہ یہ دشمن کا پسر ہے
پچھتائے گا کل آج جو پانی اسے دیگا
یہ طفل جواں ہو کے عوض باپ کا لیگا

تب شمرِ لعیں پکارا کہ ہیں رحم نہیں ہے — یہ غنچہ دہن کیا علی اکبر سے حسیں ہے
حضرت نے کہا یہ تو مرے دل کو یقیں ہے — اس فوج میں ایک ایک شقی دشمنِ دیں ہے
بے صبر نہیں گو کہ گرفتارِ قلق ہوں
حجت نہ رہے کوئی کہ میں حجتِ حق ہوں

یہ سُن کے بڑھا صف سے لعیں کاہلِ بے پیر — پیاسے علی اصغرؑ کے ہوئی قتل کی تدبیر
جوڑا ستم ایجاد نے چلے میں اُدھر تیر — چھاتی تلے بچے کو چھپانے لگے شبیرؑ
چلاتے تھے پیہم کہ یہ کیا کرتا ہے ظالم
بچے کو جو تاکا تو خطا کرتا ہے ظالم

کب سنتا تھا فریاد کسی کی ستم آرا　　اک تیرِ ستم تاک کے معصوم کو مارا
ڈھلکی ہوئی گردن پہ لگا تیر قضا را　　بس چونک پڑا سہم کے وہ باپ کا پیارا
اشک آنکھوں سے شبنم کی طرح رخ پہ ڈھل آئے
ننھے سے انگوٹھے بھی دہن سے نکل آئے

گھبرا کے سرے کو جو لگے کھینچنے سرور　　سب خون سے کرتا بھی شلوکا بھی ہوا تر
تھرانے لگے ننھے سے وہ بازوئے انور　　ڈھیلے ہوئے ہاتھوں سے کڑے پھر گئے تیور
بیتابی میں شہ بیٹھ گئے خاک پہ ہٹ کر
وہ غنچہ دہن مر گیا بابا سے لپٹ کر

ہاتھوں پہ جو مردہ لے شبیر نے پایا　　آہِ دلِ مظلوم نے گردوں کو ہلایا
تھرائے ہوئے ہاتھوں پہ میت کو اٹھایا　　کی عرض کہ اب تک تو میں صابر ہوں خدایا
محتاج نہ پانی کا نہ خواہاں ہوں مدد کا
طالب ہوں فقط مغفرتِ امتِ جد کا

امت کے گناہوں سے مجھے ہے خطر و بیم　　ناموں پہ انھیں کے ہو ثواب اس کا بھی تقسیم
آئی یہ ندا ان پہ کسی کو نہیں تقدیم　　بخشا انھیں اے راہبرِ جادۂ تسلیم
گھبرا نہ انھیں اجرِ گراں مایہ ملے گا
فردوس میں سب کو ترا ہمسایہ ملے گا

سن کر یہ صدا شاد ہوئے سبطِ پیمبر　　اصغر کو لیے آئے سوئے لاشۂ اکبرؑ
چھوٹے کو بڑے بھائی کے پہلو میں لٹا کر　　چلائے کہ ہاتھ اپنا دھرو اے مہِ انور
بعد آپ کے ہم دشت میں پھر آج لٹے ہیں
ہشیار کہ یہ پہلے پہل ماں سے چھٹے ہیں

جنگل میں درندوں سے برادر کو بچانا   گر رو ئیں تو بیٹا انھیں چھاتی سے لگانا
کوثر پہ جو پہنچو گے تو پیاس ان کی بجھانا   لیجا انھیں دادی کی جو تسلیم کو جانا
نخلِ گلِ تر پیاس سے مرجھائے ہوئے ہیں
گردن نہ جھکے تیرِ ستم کھائے ہوئے ہیں

شہادتِ حضرتِ امامؑ

دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں — وہ گُل ہے یہ گُل بوئے محبت نہیں جس میں
وہ دوست ہے یہ دوست مروّت نہیں جس میں — وہ شہد ہے یہ شہد حلاوت نہیں جس میں
بے درد و الم شامِ غریباں نہیں گزری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری

گودی ہے کبھی ماں کی کبھی قبر کا آغوش — گُل پیرہن اکثر نظر آتے ہیں کفن پوش
سرگرمِ سخن ہے کبھی انساں کبھی خاموش — گہ تخت ہے اور گاہ جنازہ بسرِ دوش
اک طور پہ دیکھا نہ جواں کو نہ مسن کو
شب کو جو چھپر کھٹ میں تو تابوت میں دن کو

کرتا نہیں غربت میں کوئی آ کے مدد تک — گر ساتھ گیا ہے تو کوئی قبر کی حد تک
پھر آتے ہیں روتے ہوئے پہنچا کے لحد تک — وہ خانۂ تاریک میں تنہائی ابد تک
نہ دوست نہ احباب نہ ہم بزم گئے ہیں
تنہا یونہیں شاہانِ اولوالعزم گئے ہیں

جو خلق میں تھے صاحبِ تخت و علَم و تاج — نوبت یہ ہوئی ہے کہ نشاں ان کے نہیں آج
شاہانِ جہاں فخر سے دیتے تھے جنھیں باج — وہ قبریں ہیں سورۂ الحمد کے محتاج
سکہ ہے نہ وہ اور نہ وہ تاج و نگیں ہیں
دولت تو خزانے میں ہے خود زیرِ زمیں ہیں

اولاد کا گلشن نہ عزیزوں کا چمن ساتھ
یاور نہ مصاحب نہ محبانِ وطن ساتھ
نہ مال نہ فرزند نہ بھائی نہ بہن ساتھ
دنیا کے کُل اسباب سے ہوتا ہے کفن ساتھ
آجاتی ہے واں موت جہاں گھر نہیں ہوتا
بہتوں کو کفن تک بھی میسّر نہیں ہوتا

آرام کے خوگر کو ہے سختی کی کہاں تاب
شب کو جو اندھیرا ہو تو ہو جاتا ہے بیتاب
تُربت میں کہاں راحت و آرام کا اسباب
بجز داغِ جگر روشنیٔ شمع ہے نایاب
گھبرائے کہ وحشت ہو کہیں جا نہیں سکتا
کروٹ بھی بدلنے کی جگہ پا نہیں سکتا

صحبت تھی شب و روز کی جس سے وہ کہاں پاس
ہمدرد جو حسرت تو مصاحب الم و یاس
وہ قبر کا دھڑکا وہ پرسشِ اعمال کا وسواس
اُس ملک سے دنیا میں پھر آنے کی نہیں آس
دکھلائیں تُزک چار دن افلاک کے نیچے
سب شاہ و گدا ایک سے ہیں خاک کے نیچے

کیا اُن کو خبر جو کہ مکانوں میں مکیں ہیں
خویش و دلبر و ہمدم و احباب قریں ہیں
تاریکیٔ مرقد سے وہ آگاہ نہیں ہیں
پوچھے کوئی ان لوگوں سے جو زیرِ زمیں ہیں
مٹی کے تلے دن کو بسر ہوتی ہے کیونکر
شب ہوتی ہے کس طرح سحر ہوتی ہے کیونکر

شادی ہو کہ اندوہ ہو آرام ہو یا جور
دنیا میں گزر جاتی ہے انساں کی بہر طور
ماتم کی کبھی فصل ہے عشرت کا کبھی دور
ہے شادی و ماتم کا مرقع جو کرو غور
کس باغ میں آسیبِ خزاں آ نہیں جاتا
گُل کونسا کھلتا ہے جو مرجھا نہیں جاتا

ہے عالمِ فانی کی عجب صبح عجب شام — گہ غم کبھی شادی کبھی ایذا کبھی آرام
نانا سے چلا فاطمہ زہراؑ کا گُل اندام — واحسرت و دردا کہ وہ آغاز یہ انجام

راحت نہ ملی گھر کے تلاطم سے دہم تک
مظلومؑ نے فاقے کیے ہفتم سے دہم تک

رستے پہ عزیزوں کا مرقع ہے تو ابتر — شہؑ کا ہے یہ نقشہ کہ ہیں تصویر سے ششدر
فرزند نہ مسلمؑ کے نہ ہمشیر کے دلبر — قاسمؑ ہیں نہ عباسؑ نہ اکبرؑ ہیں نہ اصغرؑ

سب نذر کو دربارِ پیمبرؐ میں گئے ہیں
رخصت کو اکیلے شہِ دیں گھر میں گئے ہیں

جب خیمے میں رخصت کو شہِ بحر و بر آئے — چلائی سکینہؑ مرے بیکس پدر آئے
حضرت کو جو ناموسِ پیمبرؐ نظر آئے — رو کر کہا ہم قبر میں اصغرؑ کو دھر آئے

لو بی بیو شبیرؑ جہاں سے سفری ہے
اب فاطمہؑ کا دل ہے چپہ لرز محرِی ہے

تنہا ہوئے کس طرح نہ ہم مرنے کو جائیں؟ — قاسمؑ ہیں کہ عمو کے عوض خوں میں نہائیں؟
عباسؑ ہیں جو نہر پہ ہاتھ اپنے کٹائیں؟ — اکبرؑ ہیں کہ بابا کے عوض برچھیاں کھائیں؟

یاور کوئی بجز بیکسی دیاں نہیں ہے
اصغرؑ بھی ہو غائب تو کوئی پاس نہیں ہے

تم سب کو کیا نانا نے اکبرؑ کے حوالے — زہراؑ کے حوالے کیا حیدرؑ کے حوالے
سب گھر ہے مرا عابدِؑ مضطر کے حوالے — ہے میری سکینہؑ مری خواہر کے حوالے

ماتم میں مرے نالہ و فریاد کرے گی
بہلا کے جس دم وہ مجھے یاد کرے گی

سب بیبیاں گھبرا گئیں سنتے ہی یہ تقریر — تھرّائی ہوئی غش سے اُٹھی شاہ کی ہمشیر
ایک ایک کا منہ تکنے لگی بانوئے دلگیر — سب سے کہا کیوں صاحبو دیکھی مری تقدیر
میں بھی تھی پُرسا مجھے یہ دیں گے پسر کا
ہے اور ہی کچھ قصد شہِ جن و بشر کا

اجڑی تھی مری کوکھ مہا تھا مرا جایا — اس رنج نے تھا دل بھی کلیجا بھی جلایا
کہتی تھی بھلا سر پہ ہے وارث کا تو سایا — پیغام رنڈاپے کا بھی قسمت نے سنایا
رکھا ہے تباہی نے قدم گھر میں ہمارے
در در ابھی پھرنا ہے مقدر میں ہمارے

پاس آکے یہ کہنے لگے پھر سبطِ پیمبر — باتیں نہ کرو یاس کی اے بانوئے مضطر
دنیا میں سدا رہتا ہے فرزند نہ شوہر — کیوں روتی ہو اللہ کا سایا تو ہے سر پر
ہم لوگ تو مجبور ہیں مختار وہی ہے
مشکل میں غریبوں کا مددگار وہی ہے

روئیں گے اگر گھر کو تو گھر کس نے دیا تھا — منصف ہو تمہیں زیور و زر کس نے دیا تھا
یہ نخلِ تمنا میں ثمر کس نے دیا تھا — ہم شکلِ محمد سا پسر کس نے دیا تھا
ہم تھے تو محافظ تھے امانت تھی اسی کی
بخشش تھی اسی کی یہ عنایت تھی اسی کی

گھر بار کے لٹنے کا تاسف نہیں زنہار — بہتر ہے مسافر کو جہاں تک ہو سبک بار
سب کچھ مجھے بخشا تھا مگر عاقبتِ کار — بھائی ہے نہ بیٹا ہے نہ لشکر نہ علمدار
جو اس کی امانت تھی وہ سب دیکے چلے ہیں
کچھ لیکے نہ آئے تھے نہ کچھ لے کے چلے ہیں

دنیا میں اسیری کی بلا سخت ہے ہر چند — لازم ہے رہو سلسلۂ صبر کے پابند
مر جاتے ہیں جو چھوڑ کے اپنے زن و فرزند — پلتے نہیں کیا خلق میں ان لوگوں کے دلبند
کر دیتا ہے آسان ہر اک رنج و محن کو
کچھ دور نہیں دیکھ لو اولادِ حسنؑ کو

کیا عمر تھی فرزندوں کی جب اٹھ گئے بھائی — پروان چڑھے پرورش اس لطف سے پائی
قاسم کو کوئی روک سکا جب اجل آئی — وہ آج لٹی چھوڑ گئے تھے جو کمائی
شادی نہیں رہتی ہے سدا غم نہیں رہتا
دنیا کا کبھی ایک سا عالم نہیں رہتا

زینبؑ کو تو دیکھو کہ ہیں کس دکھ میں گرفتار — ایسا کوئی اس گھر میں نہیں بیکس و ناچار
تنہا ہیں کہ بے جان ہوئے دو چاند سے دلدار — دنیا سے گیا اکبرِ ناشاد سا غم خوار
بیٹے بھی نہیں گود کا پالا بھی نہیں ہے
اُن کا تو کوئی پُوچھنے والا بھی نہیں ہے

بانو سے یہ فرما چکے جب حضرتِ شبیرؑ — حیرت سے نظر کی طرفِ زینبِ دلگیر
فرمایا کہ تم بھی ہمیں رخصت کرو ہمشیر — منزل ہے بہت دور مناسب نہیں تاخیر
دن وصل کے آخر ہوئے فرقت کی گھڑی ہے
شبیرؑ سے مل لو کہ اجل سر پہ کھڑی ہے

تم فاطمہ زہراؑ کے طریقے سے ہو آگاہ — ہر شخص کو درپیش ہے اک روز یہی راہ
زینبؑ نے کہا صدقے بہن اے شہِ ذیجاہ — بے آپ کے مر جائے گی بنتِ اسد اللہ
جو حکم ہو کچھ منہ سے نہ ہمشیر کہے گی
یہ کہنہ ردا بھی نہ مرے سر پہ رہے گی

اس عمر میں تھوڑے غم جانکاہ اٹھائے — اشک آنکھوں سے اماں کے جنازے پہ بہائے
آنسو نہ تھمے تھے کہ پدر خلد میں سدھائے — ٹکڑے دل شبیرؑ کے کفن میں نظر آئے
حضرت کے سوا اب کوئی سر پر نہیں بھائی
انساں ہوں کلیجا مرا پتھر نہیں بھائی

ہر شخص کو ہے یوں تو سفر خلق سے کرنا — دشوار ہے اک آن مسافر کو ٹھہرنا
ان آنکھوں سے دیکھا ہے بزرگوں کا گزرنا — ہے سب سے سوا ہائے یہ مظلومی کا مرنا
صدقے گئی یوں ران کبھی پڑتے نہیں دیکھا
اک دن میں بھرے گھر کو اجڑتے نہیں دیکھا

منہ سینے پہ رکھے جو بلکتی تھی وہ دلگیر — ہر آہ تھی حضرت کے کلیجے کے لیے تیر
سر چھاتی سے لپٹائے ہوئے کہتے تھے شبیرؑ — بس صبر کرو غش کہیں آجائے نہ ہمشیر
بیٹی ہو پسر بھی علی اکبرؑ کے الم میں
کیا جان گنوا دو گی بہن بھائی کے غم میں

گر مر گئیں ہو جائے گا گھر اور بھی خالی — صدمے سے جیے گی نہ سکینہ مری بالی
ہو صبر سے یتیموں کی تمھیں پالنے والی — صابر جو ہیں ملتا ہے انھیں رتبۂ عالی
ایسا تو کسی کو غم تنہائی نہ ہوگا
اللہ تو سر پہ ہے اگر بھائی نہ ہوگا

وہ حمد کے لائق ہے سزاوار ثنا ہے — ہے اس کو بقا اور ہر اک شے کو فنا ہے
راحت نہیں دنیا میں کہ یہ دار فنا ہے — آدم کا بدن خاک میں ملنے کو بنا ہے
ہے کون بزرگوں میں کرو دھیان اسی کو
دنیا میں نہ چھوڑے گی بہن موت کسی کو

عالم میں جو تھے فیض کے دریا وہ کہاں ہیں   جو نورِ خدا سے ہوئے پیدا وہ کہاں ہیں
ہم سب سے جو تھے افضل و اعلیٰ وہ کہاں ہیں   پیدا ہوئی جن کے لیے دنیا وہ کہاں ہیں
جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا
جب احمدِ مرسلؐ نہ رہے کون رہے گا

ہے کل کی ابھی بات کہ آباد تھا کیا گھر   جس در پہ گدا آن کے ہوتے تھے تونگر
وہ مجمعِ احباب وہ دربارِ پیمبرؐ   وہ فاطمہؑ کا جاہ و حشم شوکتِ حیدرؑ
یہ دن چلا آئے یہ مقدور تھا کس میں
یا آج وہی گھر ہے کہ خاک اڑتی ہے جس میں

اک دن تھا کہ عشرت کے مہیا تھے سب اسباب   یا ایک یہ دن ہے کہ خوشی ہو گئی نایاب
وہ وقت وہ آرام وہ ہمدرد وہ احباب   معلوم یہ ہوتا ہے کہ دیکھا تھا کبھی خواب
آج اوروں کے ہم مرنے پہ فریاد کریں گے
کل اور اسی طرح ہمیں یاد کریں گے

کیا آگے بہن کے کوئی مرتا نہیں بھائی   برسوں جو رہے وصل تو اک دن ہے جدائی
لٹ جاتی ہے اک آن میں برسوں کی کمائی   جاتی نہیں بے جان لیے جب اجل آئی
ملتا نہیں پھر خلق سے جو جاتا ہے زینبؑ
رونے سے مسافر کہیں پھر آتا ہے زینبؑ

برسوں رہے ماتم میں پیمبرؐ کو نہ پایا   جس دن سے جدائی ہوئی حیدرؑ کو نہ پایا
تڑپا کیے لیکن کبھی مادر کو نہ پایا   یوں چھوٹے کہ پھر ہم نے برادر کو نہ پایا
جب سینے میں مضطر دلِ بے صبر کو دیکھا
گھر سے گئے روتے ہوئے اور قبر کو دیکھا

غربت میں کبھی تم سے بچھڑتا نہ برادر   کیا کیجیے تقدیر جدا کرتی ہے خواہر
پردیس میں برباد ہوں بچے کہ لٹے گھر   بندہ ہوں اطاعت سے نہ ہونگا کبھی باہر

بہتر ہے وہی جس میں رضامندیٔ رب ہو
کیا عذر ہے سرکار میں جس وقت طلب ہو

زندہ ہوں تو آخر کبھی مرتا کہ نہ کرتا   آتی نہ اجل سر جو تہِ تیغ نہ دھرتا
پیمانہ مری عمر کا آخر کبھی بھرتا   گھر میں بھی جو ہوتا تو سفر خلق سے کرتا

پر آج کے مرنے میں بہن اور مزا ہے
خوشنودیٔ معبود ہے امت کا بھلا ہے

ہمشیر کا غم ہے کسی بھائی کو گوارا   مجبور ہے لیکن اسد اللہ کا پیارا
تیغ غم فرقت سے کلیجا ہے دو پارا   کس سے کہوں جیسا مجھے صدمہ ہے تمہارا

اس گھر کی تباہی کے لیے روتا ہے شبیرؑ
تم جیسی نہیں ماں سے جدا ہوتا ہے شبیرؑ

مر کر بھی نہ بھولوں گا میں احسان تمہارے   بیٹوں کو بھلا کون بہن بھائی پہ وارے
پیارا نہ کیا ان کو جو تھے جان سے پیارے   بس ماں کی محبت کے یہ انداز ہیں سارے

فاقے میں ہیں برچھیاں کھانے کی رضا دو
بس اب یہی الفت ہے کہ جانے کی رضا دو

لو جاتے ہیں ہمشیر خدا حافظ و ناصر   اب جسم ہے اور تیر خدا حافظ و ناصر
اے بانوئے دلگیر خدا حافظ و ناصر   ہے رخصتِ شبیرؑ خدا حافظ و ناصر

کیوں دور کھڑی روتی ہو یاں آؤ سکینہؑ
پھر باپ کی چھاتی سے لپٹ جاؤ سکینہؑ

اے عابدِ بیمار و حزیں گھر سے خبردار　　اے جانِ پدر آلِ پیمبر سے خبردار
ماں رانڈ ہے اب رانڈ کی چادر سے خبردار　　مارے نہ طمانچہ کوئی خواہر سے خبردار
مشکل ہو جو اُمت پہ تو حل کیجیو بیٹا
تحریر پہ بابا کی عمل کیجیو بیٹا

یہ کہہ کے کچھ آہستہ کہا گوشِ پسر میں　　بیمار کے رونے سے قیامت ہوئی گھر میں
اندھیر زمانہ ہوا بانو کی نظر میں　　غش ہو گئی زینب یہ اٹھا درد جگر میں
ٹھہرا نہ گیا واں، شہ والا نکل آئے
تنہا گئے روتے ہوئے تنہا نکل آئے

کچھ بڑھ کے پھرے جانبِ قبلہ شہ بے پر　　کچ کی طرف دوش میں گردن انور
تھراتے ہوئے ہاتھوں پہ عمامے کو رکھ کر　　کی حق سے مناجات کہ اے خالقِ اکبر
حرمت ترے محبوب کی دنیا میں بری ہے
کر رحم کہ آل اُن کی تباہی میں پڑی ہے

یارب ہے یہ سادات کا گھر تیرے حوالے　　رانڈیں ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے
بیکس کا ہے بیمار پسر تیرے حوالے　　سب ہیں مرے دریا کے گہر تیرے حوالے
عالم ہے کہ غربت میں گرفتارِ بلا ہوں
میں تیری حمایت میں انھیں چھوڑ چلا ہوں

یہ کہہ کے گریبانِ مبارک کو کیا چاک　　اور ڈال لی پیراہنِ پُر نور میں کچھ خاک
میت ہوئے شبیرؑ کفن بن گئی پوشاک　　بس فاتحہ خیر پڑھا بادلِ غمناک
مُڑ کر نہ کسی دوست نہ غمخوار کو دیکھا
پاس آئے تو روتے ہوئے رہوار کو دیکھا

تنہائی میں ایک ایک کو حضرت نے پکارا — کون آئے کہ فردوس میں تھا قافلہ سارا
گھوڑے پہ چڑھا خود اسداللہ کا پیارا — اونچا ہوا افلاکِ امامت کا ستارا
شوخی سے فرس پاؤں نہ رکھتا تھا زمیں پر
غل تھا کہ چلا قطبِ زماں عرشِ بریں پر

پہنچا جو درِ خانۂ زیں تک قدمِ پاک — تھرا کے جھکا سر بہ زمیں توسنِ افلاک
گھوڑے پہ چڑھا لختِ دلِ سیدِ لولاک — جبریلِ امیں ساتھ ہوئے تھام کے فتراک
کس منہ سے کہوں حسنِ نشستِ شہِ دیں کو
معلوم ہوا جڑ دیا خاتم پہ نگیں کو

تھا زینِ فرس رحل تو قرآں شہِ والا — وہ تختِ ہوا تھا تو سلیماں شہِ والا
وہ دوشِ صبا بوئے گلستاں شہِ والا — وہ برجِ شرف مہرِ تاباں شہِ والا
بوئے گل کی نسیمِ سحری لے کے چلی ہے
غل تھا کہ سلیماں کو پری لے کے چلی ہے

ہے عام کو مرغوب بہت وصفِ سراپا — حیراں ہے مگر عقل کہوں گر تو کہوں کیا
تشبیہ کی صورت کوئی بنتی نہیں اصلا — جو شے ہے سراپائے شہِ دیں میں سو یکتا
خورشید خجل رخ سے قمر اس کفِ پا سے
کس شے کو مقابل میں کروں نورِ خدا سے

سچ کہتا ہے ذاکر نہیں فرق اس میں سرِ مو — سوچیں ہیں کیا ہو صفتِ کاکل و گیسو
اس زلف کی ہمسر ہو یہ سنبل کا نہیں رو — نہ مشک میں نہ عنبرِ سارا میں یہ خوشبو
کس طرح نہ عاجز دمِ تحریر قلم ہو
کچھ سلسلہ ہاتھ آئے تو تعریف رقم ہو

ہر مو ہے رگِ ابرِ کرم یا رگِ جاں ہے — یا ہے یہ شبِ قدر کہ قدر اسکی عیاں ہے
یا سنبلِ پیچیدۂ گلزارِ جناں ہے — یا آہِ دلِ حضرتِ زہراؑ کا دھواں ہے
دیکھو تو ضیا چہرۂ شاہِ شہدا کی
دو راتوں میں اک صبح یہ قدرت ہے خدا کی

پیشانیٔ نورانیٔ فرزندِ پیمبر — ہے مطلعِ نورِ آیتِ نُور اقدس و اطہر
آئینہ جو کہیے تو یہ روشن وہ مکدر — دُوں ماہ سے نسبت تو وہ داغی ہے سراسر
کہتا ہے یہ دل لطف تو حاصل نہیں ہوتا
ناقص کبھی کامل کے برابر نہیں ہوتا

ان ابروؤں کو کہیے جو شمشیرِ ہلالی — کہتی ہے طبیعت کہ یہ مضموں نہیں عالی
تشبیہ مہِ نو کی جو کاوش سے نکالی — دیکھا تو یہ پہلو بھی ہے کچھ حسن سے خالی
ابرو فلکِ حسن پہ یکتا نظر آئے
آنکھوں سے بھی رتبے میں دوبالا نظر آئے

نرگس سے جو تشبیہ ہو اس چشم کی منظور — مردم کے تو نزدیک یہ بینائی سے ہے دور
آپس میں کریں اہلِ بصارت یہی مذکور — یہ چشمۂ انوارِ خدا اور وہ بے نور
بینا ہو تو عائد یہ خطا کسکی طرف ہے
تحقیر تو اعلیٰ کی ہے ادنیٰ کا شرف ہے

کس منہ سے بیاں کیجیے وصفِ لبِ شبیرؑ — جن ہونٹوں نے خاتونِ قیامت کا پیا شیر
یاقوت کا کیا مرتبہ کیا لعل کی توقیر — پتھر نے کہاں پائے یہ اعجاز یہ تقریر
ہر لب پہ ہے ذکر ان کی جو شیریں سخنی کا
غیرت سے جگر خوں ہے عقیقِ یمنی کا

دانتوں کی ثنا اپنی زباں پر کوئی کیا لائے　　الماس و گہر جن کی چمک دیکھ کے شرمائے
ظاہر ہوں تبسم میں تو بجلی سی چمک جائے　　افلاک تو اس طرح کے اختر نہیں دکھلائے
ہے فرق انھیں عقدِ ثریا سے گھنے ہیں ا
یہ فاطمہؑ کے دودھ کے قطروں سے بنے ہیں

تفسیرِ حسینی ہے خطِ مصحفِ رخسار　　یا خامۂ قدرت نے لکھا ہے خطِ گلزار
اعجاز سے خالی نہیں حسنِ شہِ ابرار　　دیکھو تو ادھر شام ادھر صبح کے آثار
ظلمات کو پہلو میں اجالے نے لیا ہے
مہتاب کو آغوش میں ہالے نے لیا ہے

وہ ریش مخضب وہ رخ سیدِ والا　　ہے چاند نے منہ شام کے پردے سے نکالا
وہ گیسوئے مشکیں کا رخ پاک پہ ہالا　　تھا صبح پہ دامن شبِ معراج نے ڈالا
رخساروں پہ کچھ زلف بھی لہرائی ہوئی ہے
خورشید پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہوئی ہے

حضرت نے نظر کی جو سوئے قوم ستمگر　　دیکھے کہیں نیزے کہیں تیغیں کہیں خنجر
فرمانے لگے یوں بہ تبسم شہِ صفدر　　فوجیں ہیں کہ موجیں ہیں یہ دریا ہے کہ لشکر
دنیا میں بدوں کو نہیں کچھ نیک کی خاطر
اللہ یہ انبوہ ہے مجھ ایک کی خاطر

جو ڈسے ہوئے تیروں کو ہیں چلتے میں کماندار　　اک سینے کے خاطر یہ تردد ہے تو بیکار
یاں ایک گلا واں کئی سو خنجرِ خونخوار　　پامالی تو اک جسم کی اور اس قدر اسوار
دستِ ستم و جور بڑھائیں گے کہاں تک
سب نیزوں پہ اک سر کو چڑھائیں گے کہاں تک

بیچین تھا مرکب تہِ راں برق کی تمثال ہر مرتبہ چمکارتا تھا فاطمہؑ کا لال
کہتے تھے ستمگار زہے حشمت و اجلال دیکھو تو ذرا شوکتِ شبیرؑ خوش اقبال

لب تشنہ کئی دن شہِ مظلوم رہے ہیں
پر شیر سے میداں میں کھڑے جھوم رہے ہیں

اعدا کی زبانوں پہ یہ بیحیرت کی تھی تقریر حضرت یہ رجز پڑھتے تھے تولے ہوئے شمشیر
دیکھو نہ مٹاؤ مجھے ندرے فرقہ بے پیر میں یوسفِ کنعانِ رسالت کی ہوں تصویر

واللہ تعلی نہیں یہ کلمۂ حق ہے
عالم کے مرقع میں حسینؑ ایک ورق ہے

نانا وہ کہ ہیں جن کے قدم عرش کے سرتاج قوسین مکان ختمِ رسل صاحبِ معراج
ماں ایسی کہ سب جسکی شفاعت کے ہیں محتاج باپ ایسا صفِ خانوں کو جس نے کیا تاراج

لڑنے کو اگر حیدرِ صفدر نہ نکلتے
بُت گھر سے خدا کے کبھی باہر نہ نکلتے

کس جنگ میں سینے کو سپر کرکے نہ آئے کس مرحلۂ صعب کو سر کرکے نہ آئے
کس فوج کی صف زیر و زبر کرکے نہ آئے تھی کون سی شب جس کو سحر کرکے نہ آئے

تھا کون جو ایمان تہِ صمصام نہ لایا
اس شخص کا سر لائے جو اسلام نہ لایا

گر فیضِ ظہورِ شہِ لولاک نہ ہوتا بالائے زمیں گنبدِ افلاک نہ ہوتا
کچھ خاک کے طبقے پہ بجز خاک نہ ہوتا ہم پاک نہ کرتے تو جہاں پاک نہ ہوتا

یہ شورِ اذاں کا سحر و شام کہاں تھا
ہم عرش پہ جب تھے تو یہ اسلام کہاں تھا

میں صاف ہوں اب بھی مرے کہنے کو جو مانو　　بھٹکے ہو کدھر دیں کا رہبر مجھے جانو
پچھتاؤ گے تم قتل مرا دل میں نہ ٹھانو　　بیکس کا بدن ظلم کے تیروں سے نہ چھانو
پیارا ہوں جگر گوشۂ فخرِ دو جہاں کا
دلبند ہوں میں سیدِ قوسین مکاں کا

حاصل تمہیں کیا گر مرے بچے ہوئے برباد　　اجڑی ہوئی بستی کو بشر کرتے ہیں آباد
کیا نشۂ دولت ہے کہ بھولی ہے مری یاد　　فریادرسِ خلق کی سنتے نہیں فریاد
اللہ کرو پاس رسولِ عربیؐ کا
زہراؑ مری مادر ہے بیٹا ہوں علیؑ کا

بالفرض نہ سمجھو مجھے دلبندِ پیمبرؐ　　کعبہ کا مسافر تو ہوں میں بیکس بے پر
حاجی کا مرے ہونے میں تامل ہے تمہیں گر　　شبیرؑ مسلماں تو ہے اے قومِ ستمگر!
اُمت کا محمدؐ کے ہوا خواہ تو ہوں میں
یہ بھی نہیں اک بندۂ اللہ تو ہوں میں

تم نے تو بلایا بھی نہ تھا آپ میں آیا　　جنگل میں مدینے سے مقدر مجھے لایا
کھانا بھی کھلایا مجھے پانی بھی پلایا　　دعوت بھی مری ہو چکی آرام بھی پایا
مشتاق مدینے کی حکومت کا نہیں میں
رخصت کرو اب بھی تو نکل جاؤں کہیں میں

جس شہر کو کہہ دو میں اسی شہر کو جاؤں　　بستی جو نہ ممکن ہو تو جنگل کو بساؤں
لکھواؤ شکایت کا سخن لب پہ جو لاؤں　　مجرم جو قلمرو میں تمہارے کبھی آؤں
سختی بھی اٹھاؤں گا مصیبت بھی سہوں گا
رازق ہے خدا جا کے پہاڑوں میں رہوں گا

تا زیست جو چھوڑوں کبھی کہسار کا داماں   پھر ہاتھ ہے تم لوگوں کا اور میرا گریباں
اسباب بھی ہے تو مجھے کیا چاہیے ساماں   اب عمر بھی آخر ہے کوئی دن کا ہوں مہماں
ممکن نہیں جینا مرا اس رنج و الم میں
سن لیجیو مر جاؤں گا فرزندوں کے غم میں

دنیا میں نشاں کفر و ضلالت کا نہ گاڑو   للہ ستون کعبۂ دیں کا نہ اکھاڑو
خالق کی بنائی ہوئی صورت نہ بگاڑو   عادل کی بسائی ہوئی بستی نہ اجاڑو
گو آج زبردست ہو یا صاحب زر ہو
مرنا بھی تو اک دن ہے مقرر کہ بشر ہو

یہ سن کے لعینوں نے کہا شاہ امم سے   جانے دیں کہیں آپ کو یہ ہوگا نہ ہم سے
اکدم میں گلا کاٹیں گے شمشیر دودم سے   زینبؑ کو ملے گی نہ اماں قید ستم سے
حاکم سے خجل ہوں یہ نہیں کام ہمارا
سر کاٹ کے لے جائیں تو ہو نام ہمارا

حضرت نے کہا خوب جواب اسکا دیا واہ   وہ کام کرو جس میں رضامند ہو اللہ
حاکم جسے کہتے ہو تمہارا ہے وہ بدخواہ   بہکانے سے بے دیں کے جہنم کی نہ لو راہ
وعدہ ہے جو کچھ وہ بھی نہ تم پاؤ گے یارو
دیکھو مرا سر کاٹ کے پچھتاؤ گے یارو

گر زعم میں تم سب کے گنہگار ہے شبیرؑ   ناموس محمدؐ کی ہے پھر کون سی تقصیر
ان بی بیوں کی شان میں ہے آیت تطہیر   مریمؑ سے زیادہ مری بہنوں کی ہے توقیر
لازم ہے کہ سادات کی امداد کرو تم
اے ظالمو اس گھر کو نہ برباد کرو تم

چلّا کے یہ تب کہنے لگا شمرِ ستمگار — ہاں ہاں ہمیں کچھ آج نہیں دیں سے سروکار
وہ کرتے ہیں ہم جس میں ملیں درہم و دینار — گر جان بچانی ہے تو رکھ دیجیے ہتھیار
بیعت کا یہ قصہ ہے فساد اور نہیں ہے
بچنے کا سوا اس کے کوئی طور نہیں ہے

بے درد نے چھڑکا جو نمک زخمِ جگر پر — طاری ہوا غصہ شہِ مرداں کے پسر پر
سرخی سی نظر آنے لگی دیدۂ تر پر — کی تیز نظر قبضۂ شمشیرِ دو سر پر
شہ کی نظرِ غیظ نہ تھی قہرِ خدا تھا
شمشیرِ یداللہ جدا میان جدا تھا

خود تیغِ علیؑ شاہ کے اعجاز سے نکلی — فریادِ دلِ قومِ دغا باز سے نکلی
کس شان و تجمّل سے کس انداز سے نکلی — پریوں کے بھی ہوش اڑ گئے اس ناز سے نکلی
فانوس سے خود شمعِ تجلّیٰ نکل آئی
محمل سے تڑپتی ہوئی لیلیٰ نکل آئی

وہ غیظ وہ نعرہ وہ چمکتی ہوئی تلوار — گویا تھا مجسم غضبِ حضرتِ قہار
اتنا تو پکارے کہ خبردار خبردار — ڈھالیں نہ اٹھی تھیں کہ گری برقِ شرربار
گرمی سے ہوا میں شرر اڑتے نظر آئے
جھونکا تھا غضب کا کہ سر اڑتے نظر آئے

اک آگ سی تھی چار طرف شعلہ فشاں برق — وہ برق کہ خود مانگتی تھی جس سے اماں برق
یاں موج تو واں سیل جو یاں ابر تو واں برق — منھ زہر بُرش قہر بدن آگ زباں برق
سرکش تھا جو ناری یہ جلاتی تھی اُسی کو
لوہے پہ جو گرتی تھی تو کھاتی تھی اُسی کو

اُٹھ کر کبھی ٹھہری، کبھی مچلی، کبھی چمکی
سر گر گئے گردن جدھر اس تیغ نے خم کی
سیدھی صفِ دشمن کو ملی راہ عدم کی
سیفی تھی کہ گویا دمِ شمشیر پہ دم کی
دم بھر میں صفیں صاف تھیں بیدادگراں کی
تھی مینہ کی طرح خاک پہ بوچھار سروں کی

تھا صورتِ آئینہ تمام اس کا بدن صاف
جوں جیتی تھی پر دیکھو تو منہ صاف دہن صاف
چلتی تھی جو سن سن یہ نکلتا تھا سخن صاف
ہوں میں تو وہ جاروب کہ کر دیتی ہوں رن صاف
نا اہل ہیں نامرد ہیں ناپاک ہیں اعدا
میں برقِ غضب ہوں خس و خاشاک ہیں اعدا

تھا دور تلک خون سے اس فوج کے رن سرخ
پھولا ہوا تھا تیغ کے اک پھل سے چمن سرخ
چہرے تو سیہ کافروں کے تھے تن و بدن سرخ
تھی تیغ دو پیکر کی زباں سرخ دہن سرخ
بے وجہ نہ منہ لال تھا اس عربدہ جو کا
بیڑا وہ اٹھائے ہوئے تھی خونِ عدو کا

مغفر سے جھلم تک گئی گردن میں در آئی
گردن سے سرکتا تھا کہ جوشن میں در آئی
جوشن سے گزرنا تھا کہ بس تن میں در آئی
تن سے ابھی گزری تھی کہ توسن میں در آئی
بچتا کوئی کیا تیغ قضا رنگ کے نیچے
اک برقِ غضب کوند گئی تنگ کے نیچے

قبضہ تھا کہ تھا چہرۂ پر قہر قضا کا
نا میں تھیں کہ دھارا تھا وہ دریائے فنا کا
باڑھ ایسی کہ رخ پھیر گیا ڈھالوں کی گھٹا کا
لپشہ وہ کہ پی جائے لہو اہلِ جفا کا
طغرے کی جگہ یا اسد اللہ لکھا تھا
جوہر میں انا سیف ید اللہ لکھا تھا

پیری کبھی گہ خون میں نہا کر نکل آئی　　ٹھہری کبھی غوطہ کبھی کھا کر نکل آئی
کاٹی جو زرہ موج میں جا کر نکل آئی　　منجدھار سے دو ہاتھ لگا کر نکل آئی
کیا ڈر اسے طوفاں کا جو چالاک ہو ایسا
جب باڑھ پہ دریا ہو تو پیراک ہو ایسا

غصے میں گئی اور غضبناک پھر آئی　　افلاک پہ چمکی تو سوئے خاک پھر آئی
بے خوف سرِ دل سے گئی بیباک پھر آئی　　غل ہوتا تھا ہر سو کہ وہ سفاک پھر آئی
خالق کا غضب خلق میں کہتے ہیں اسی کو
یہ مرگِ مفاجات نہ چھوڑے گی کسی کو

دم بھر نہ ٹھہرتی تھی عجب طرح کا دم تھا　　نیزے پہ جسے ناز تھا سر اس کا قلم تھا
ناگن میں نہ یہ زہر نہ افعی میں یہ سم تھا　　یہ تیغ کی جویا تھی قد اس واسطے خم تھا
بد اصل تکبر کے سخن کہتے ہیں اکثر
جو صاحبِ جوہر ہیں جھکے رہتے ہیں اکثر

زیبا تھا درِ جنگ پری وش اسے کہنا　　معشوق بنی سرخ لباس اس نے جو پہنا
اس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا　　جوہر تھے کہ پہنے تھی دلہن پھولوں کا گہنا
سیبِ چمنِ خلد کی بو بس تھی پھل میں
رہتی تھی وہ شبیر سے دولہا کی بغل میں

سر تیغ کے تو موج اسکی روانی کو نہ پہنچے　　قلزم کا بھی دھارا ہو تو پانی کو نہ پہنچے
بجلی کی تڑپ شعلہ فشانی کو نہ پہنچے　　خنجر کی زباں تیز زبانی کو نہ پہنچے
دوزخ کے زبانوں سے بھی آنچ اس کی بڑی تھی
برچھی تھی کٹاری تھی سروہی تھی چھری تھی

موجود بھی ہر غول میں اور سب سے جدا بھی　　دم خم بھی لگاوٹ بھی صفائی بھی ادا بھی
اک گھاٹ پہ تھی آگ بھی پانی بھی ہوا بھی　　امرت بھی ہلاہل بھی مسیحا بھی قضا بھی
کیا صاحبِ جوہر تھی عجب ظرف تھا اس کا
موقع تھا جہاں جس کا وہی صرف تھا اس کا

پہنچی جو سپر تک تو کلائی کو نہ چھوڑا　　ہر ہاتھ میں ثابت کسی گھائی کو نہ چھوڑا
شوخی کو شرارت کو لڑائی کو نہ چھوڑا　　تیزی کو رکھائی کو صفائی کو نہ چھوڑا
اعضائے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے
قینچی سی زباں چلتی تھی فقرے تھے غضب کے

لکھا ہے اُدھر تھا ابنِ قطبہ کوئی سردار　　مرحب کی طرح سرکش و نبرد آور و جرّار
اور چار ہزار اہلِ ستم کا تھا وہ سردار　　شمشیر تھی اسکی دمِ اژدر درِ پیکار
کینہ تھا اسے سبطِ رسولِ عربیؐ سے
مارا گیا تھا اس کا پدر دستِ علیؑ سے

کس غیظ سے آیا سرِ میداں وہ ستمگر　　ڈوبا ہوا فولاد کے دریا میں سراسر
جوں دیدۂ افعی تھے عیاں خود کے جوہر　　سرخ آنکھیں بھرا منہ میں کف اور دلِ سپاکیہ
فولادی سپر دوش پہ چار آئینہ بر میں
اک تیغ کھنچی ہاتھ میں اک تیغ کمر میں

اسپِ دو رکابہ بھی قوی ہیکل و چالاک　　نیزے کو دھرے دوش پہ مرکب پہ غضبناک
زنجیروں سے باندھے کمرِ رخش کو ناپاک　　ابرو پہ تکبّر سے گرہ خود سر و بے باک
دو سو تھے زرہ پوش ستمگر کے جلو میں
اور بیکسی تھی سبطِ پیمبر کے جلو میں

گھوڑے سے یہ بولا پسرِ شاہِ ولایت ‏ فاقہ پہ تو فاقہ ہے پہ ہے وقتِ رفاقت
ہاتھوں سے کہا آج دکھا دو ہمیں طاقت ‏ قدموں سے کہا بڑھ کے نہ ہٹنا کسی صورت
ہم ہو چکے نہ دنیا میں پہ انصاف رہے گا
اس جنگ کا غُل قاف سے تا قاف رہیگا

گھوڑے نے کہا جان ہے جب تک تو ہوں ہمراہ ‏ طاقت ہے کہ گو تشنہ ہے اے خسرِ ذیجاہ
ہاتھوں سے صدا آئی کہ اے فاطمہؑ کے ماہ ‏ ہم قوتِ خیبر شکنی رکھتے ہیں واللہ
قدموں نے کہا سر پہ جو آرے بھی چلیں گے
وہ کوہِ گراں ہیں کہ کبھی ہم نہ ٹلیں گے

نعرہ جو کیا شہ نے ہلا گنبدِ دوّار ‏ طبقاتِ اراضی کو تزلزل ہوا یکبار
ہیبت سے ہوئے شیر گریزاں سگِ خونخوار ‏ فرمایا کہ ہاں وار کر اے ظالمِ غدّار
گو فاقے سے ہوں زخمی ہوں اور تشنہ جگر ہوں
سبقت نہ کروں گا کہ میں حیدر کا پسر ہوں

یہ سنتے ہی بس آل کے نیزے کو وہ گمراہ ‏ اس طنطنہ سے آیا کہ العظمۃ للہ
پہنچی تھی سناں متصلِ سینہ کہ ناگاہ ‏ تڑپی چلی جوں صاعقہ شمشیرِ یداللہ
اس سیف کا تھا وار کہ سیفی کی دعا تھی
ایک ایک گرہ نیزے کی دیکھی تو جدا تھی

قبضے میں کماں لیکے بڑھا تب وہ جفا کار ‏ چلّے سے بہ تعجیل ملایا لبِ سوفار
تاکا تھا نشانہ کہ پکارے شہِ ابرار ‏ ہاں میں بھی جگر گوشۂ حیدر ہوں خبردار
یہ کہتے ہی چھیڑا فرسِ گرم عناں کو
نیزے سے اڑا لے گئے جوں تیر کماں کو

شمشیر کو پھر کھینچ کے لڑنے لگا ناری — حضرت کی سپر سے ہوئی تلوار بھی عاری
اس عاشقِ باری پہ یہ غصہ ہوا طاری — فرمایا خبردار کہ اب ہے مری باری
اس پھرتی سے اس ظالم پُرکید پہ گئے
جسطرح کہ شہبازِ اجل صید پہ آئے

دہنی طرف اس شامی نے گھوڑے کو اڑایا — حضرت کا بھی رہوار وہاں برق سا آیا
تیغ دو زباں کو شہِ عالم نے اٹھایا — سر تک وہ سپر ہاتھ سے لانے بھی نہ پایا
اس طرح چمک کر یہ چلی فرقِ لعیں پر
سب نے یہی جانا کہ گری برق زمیں پر

سر پہ جو پڑی دو ہوئے خود و سر و گردن — گردن سے گئی تا بہ کمر کاٹ کے جوشن
جوشن سے جو اتری تو لیا زین کا دامن — دامن سے چلی تیز تو دو ہو گیا توسن
قبضہ تو رہا دستِ جنابِ شہِ دیں میں
اور تا سرِ دنبالہ در آئی وہ زمیں میں

فرزندِ محمد نے کیا نعرۂ تکبیر — تھرانے لگا خوف سے سب لشکرِ بے پیر
تھا شور کہ زہرا کے یہ ہے دودھ کی تاثیر — دیکھی تھی نہ ضرب ایسی نہ اس طرح کی شمشیر
قبضے میں اسی تیغِ دو پیکر کے قضا ہے
اس ضرب کو اعجاز جو کہیے تو بجا ہے

تیغ ایسی فرس ایسا کہ آندھی ہے جہاں گرد — بجلی کی بھی تھی گرمیِ بازار جہاں سرد
پھرتا تھا شہِ پیاسا ہوا ہر سو دمِ ناورد — ہوتا تھا پسینے سے خجل عطرِ گلِ ورد
بو سے رخِ رنگین نگار آ گئی گویا
آیا وہ سمند صر بادِ بہار آ گئی گویا

کھینچی جو کبھی نظم میں اس رخش کی تصویر ٹکڑے ہوئی ہر مصرعۂ پیچیدہ کی زنجیر
مضموں کا بندھا رنگ نہ اس میں کسی تدبیر اُڑ اُڑ گئی کاغذ سے سیاہی دمِ تحریر
رنگ رخِ قرطاس بھی فق ہاتھ میں دیکھا
جھپکی جو پلک سادہ ورق ہاتھ میں دیکھا

زیبا ہے جو کہیے کہ ہوا کا تھا وہ گھوڑا تھا وسعتِ عالم کا بھی میداں اسے تھوڑا
مشرق میں لیا دم اسے مغرب میں جو چھوڑا جب ہل گئی راکب کی کمر پڑ گیا کوڑا
ممکن تھا کہ فوجیں لے اُڑیں تو اُڑ گئے وہ
چمکارے حضرت ہی جو روکیں تو رُکے وہ

وہ رشکِ صبا خاک پہ کس طرح رکھے گام بڑھتے جو فلک سیر زمیں سے اسے کیا کام
خوش قامت و خوش سر و خوش انداز و خوش اندام تھا نعل در آتش کبھی دم بھر نہ تھا آرام
دھرتا تھا لاشوں پہ قدم بچاتا تھا گھوڑا
دامانِ جراحت کی ہوا کھاتا تھا گھوڑا

ضیغم کی جو تھی جست تو آہو کے طرارے آنکھوں کو چراتے تھے خجالت سے چکارے
ہر نعل سے خم تھا مہِ نو شرم کے مارے اُٹھتے تھے قدم جب تو چمکتے تھے ستارے
ہو رشک نہ کیونکر فلکِ ماہ جبیں کو
نقشِ سمِ توسن سے لگے چاند زمیں کو

ڈرتے تھے مگر غیظ سے رحمت تھی زیادہ شفقت بھی نہ کم تھی جو شجاعت تھی زیادہ
نانا کی طرح خاطرِ امت تھی زیادہ بیٹوں سے غلاموں کی محبت تھی زیادہ
تلوار نہ ماری جسے منہ موڑتے دیکھا
آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا

فرماتے تھے اعدا کو ترائی سے بھگا کر — کیوں چھوڑ دیا گھاٹ کو روکو ہمیں آ کر
دعوت یونہی کرتے ہیں مسافر کو بلا کر — ہم چاہیں تو پانی بھی پئیں نہر میں جا کر
پر صبر کے دریا ہیں ہمیں پیاس نہیں ہے
اب زہر یہ پانی ہے کہ عباسؑ نہیں ہے

بھولی نہیں اکبرؑ کی ہمیں تشنہ دہانی — وہ چاند سا رُخ وہ قد و قامت وہ جوانی
وہ سوکھے ہوئے ہونٹ وہ اعجاز بیانی — دکھلا کے زباں مانگتے تھے نزع میں پانی
کس سے کہیں جو خونِ جگر ہم نے پیا ہے
بعد اپنے پسر کے بھی کہیں باپ جیا ہے

یہ کہہ کے سکینہؑ کے بہشتی کو پکارے — الفت ہمیں لے آئی ہے پھر پاس تمہارے
روتے ہوئے آ پہنچے ہیں دریا کے کنارے — جاں غش ہے ہم آئے ہیں پیاس کے مارے
اس سوکھے ہوئے ہونٹوں سے ہونٹوں کو ملا دو
کچھ مشک میں پانی ہو تو بھائی کو پلا دو

لیٹے ہوئے ہو ریت پہ کیوں منہ کو چھپائے — اٹھو کہ سکینہؑ کو یہاں ہم نہیں لائے
غافل ہو برادر تمہیں کس طرح جگائے — ہے عصر کا وقت اے اسداللہ کے جائے
خوش ہوں گا میں آگے جو علم لیکے بڑھو گے
کیا بھائی کے پیچھے نہ نماز آج پڑھو گے

کہہ کر یہ سخن رونے لگا بھائی کو بھائی — تلوار سے مہلت ستم ایجادوں نے پائی
جس فوج نے رن چھوڑ دیا تھا وہ پھر آئی — دوڑے کے پیاسے پہ گھٹا شام کی چھائی
بارش ہوئی تیروں کی ولی ابنِ ولی پہ
سب ٹوٹ پڑے ایک حسینؑ ابنِ علیؑ پہ

کی شہ نے جو سینہ پہ نظر پونچھ کے آنسو / سب چھاتی سے تھے پہلوؤں تک تیر سہ پہلو
ہر سمت سے تیغیں جو لگاتے تھے جفا جو / سالم نہ کلائی تھی نہ شانہ تھا نہ بازو
برگشتہ زمانہ تھا شہِ تشنہ گلو سے
پھل برچھیوں کے سرخ تھے سید کے لہو سے

جھک جاتے تھے بھرنے پہ جو غش میں شہِ ابرار / منہ پھیر کے آقا کی طرف تکتا تھا رہوار
چمکار کے فرماتے تھے شبیرِ دل افگار / اب خاتمۂ جنگ ہے اے اسپِ وفادار
اتریں گے ہمیں اب تجھ سے چھٹا ساتھ ہمارا
نہ پاؤں ترے چلتے ہیں نہ ہاتھ ہمارا

ہے عصر کا ہنگام مناسب ہے اترنا / اس خاک پہ ہے شکر کا سجدہ ہمیں کرنا
گو مرحلۂ صعب ہے دنیا سے گزرنا / سجدے میں کٹے سر کہ سعادت ہے یہ مرنا
طاعت میں خدا کی نہیں صرفہ تن و سر کا
ذی حق وہی ہیں اس کے کہ ورثہ ہے پدر کا

اترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا والی / خاتم سے نگیں گر گیا زیں ہو گیا خالی
اس دکھ میں نہ یاور تھے نہ مولیٰ کے موالی / خود ٹیک کے تلوار کو سنبھلے شہِ عالی
کپڑے تنِ پرنور کے سب خوں میں بھرے تھے
اک ہاتھ کو رہوار کی گردن پہ دھرے تھے

منہ یال پہ رکھ رکھ کے یہ فرماتے تھے ہر بار / جا ڈیوڑھی پہ لے صاحبِ معراج کے رہوار
اب ذبح کریں گے ہمیں اک دم میں ستمگار / زینبؑ سے یہ کہنا کہ سکینہؑ سے خبردار
رہنا وہیں جب تک مرا سر تن سے جدا ہو
نہ جائیو باہر کو جدھر حکم خدا ہو

یہ کہہ کے جو سرکا اسد اللہ کا جایا — اک تیر جبیں پر بنِ اشعث نے لگایا
فریاد نے زہرا کی دو عالم کو ہلایا — پیکانِ سہ پہلو عقبِ سر نکل آیا
تڑپے نہ، یہ ہے صبر امامِ دو جہاں کا
سوفار نے بوسہ لیا سجدے کے نشاں کا

حضرت نے جبیں سے ابھی کھینچا نہ تھا وہ تیر — جو سر پہ لگی تیغ بنِ مالکِ بے پیر
ابرو تک اتر کر جو اٹھی ظلم کی شمشیر — سر تھام کے بس بیٹھ گئے خاک پہ شبیرؑ
چلائے ملک دیکھ کے خوں سبطِ نبیؐ کا
تھا حال یہی مسجدِ کوفہ میں علیؑ کا

بیٹھے جو سوئے قبلہ دو زانو شہِ بے پر — جھکتے تھے کبھی غش میں اٹھاتے تھے کبھی سر
تھے ذکرِ خدا میں جو لگا تیر دہن پر — یاقوت بنے ڈوب کے خوں میں لبِ اطہر
بہ آیا لہو تا بہ زنخدانِ مبارک
ٹھنڈے سے ہوئے دو گہرِ دندانِ مبارک

نیزے کا بنِ وہب نے پہلو پہ کیا وار — کاندھے پہ چلی صالحہ زرارہ کی بھی تلوار
ناوک بنِ کاہل کا کلیجے سے ہوا پار — بازو میں در آیا تبرِ خولیٔ خونخوار
تلوار سے وقفہ نہ ملا چند نفس کا
دم رک گیا نیزہ جو لگا ابنِ انس کا

قبلہ کے جھکے سجدۂ حق میں شہِ ابرار — شورِ دہلِ فتح ہوا فوج میں اک بار
خوش ہو کے پکارا عمرِ سعدِ جفاکار — اے خولی و شیث و بنِ ذی الجوشنِ جرار
آخر ہے بس اب کام امامِ ازلی کا!
سر کاٹ لو سب مل کے حسینؑ ابنِ علیؑ کا

پھٹتا ہے جگر حال لکھوں ذبح کا کیونکر — حلق پسرِ فاطمہؑ اور شمر کا خنجر
وہ سینہ جو تھا رتبے میں قرآن کے برابر — ہے قہر کہ جا پاؤں دھرے اس پہ ستمگر
جس حلق کے بوسے لیے زہراؑ و علیؑ نے
فریاد ہے کاٹا اسے خنجر سے شقی نے

ملبوس بدن سے گئے سب لوٹنے والے — سینے سے مگر تیر کسی نے نہ نکالے
پہلوئے مبارک میں گڑے رہ گئے بھالے — کیوں چرخ یہ حال اُسکا جسے فاطمہؑ پالے؟
شبیرؑ کا سر نیزۂ خولی کی انی پر
تُف دہر پہ اور خاک ہے دنیائے دنی پر